

ماہنامہ حیات بنارس

مدیر
مولانا عبدالوہاب حجازی

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

معاون مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی
مولانا عبدالمتین مدنی

اس شمارہ میں		عدد مسلسل: ۳۴۳-۳۴۴
۲	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	جلد: ۳۰، شمارہ: ۷-۸
۳	مولانا عبدالمتین مدنی	شعبان - رمضان ۱۴۳۳ھ
۴	مدیر	جولائی - اگست ۲۰۱۲ء
۶	ڈاکٹر مفتدی حسن ازہریؒ	بدل اشتراک
۱۰	مولانا عبدالغفار حسن رحمانیؒ	♦ ہندوستان: 150 روپے
۱۸	مولانا محمد مستقیم سلفی	♦ بیرون ممالک: 40 ڈالر
۲۳	مولانا عبدالکبیر مبارکپوریؒ	♦ فی شمارہ: 15 روپے
۲۹	ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوریؒ	مراسلت کا پتہ
۳۳	شیخ محمد بن عبداللہ السبیلی	دار التالیف والترجمہ
۴۰	ڈاکٹر رحمت اللہ السلفی	بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب
۴۸	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	وارانسی - ۲۲۱۰۱۰
۵۳	مولانا عبدالغفار رحمانی مبارکپوریؒ	Darut Taleef Wat Tarjama
۵۶	مولانا اسعد اعظمی	B.18/1-G, Reori Talab,
۶۱	انوار الحق بن حمی الدین سلفی	Varanasi - 221010
۶۶	ڈاکٹر محفوظ الرحمن	
۶۹	راشد حسن فضل حق مبارکپوری	
۷۲	محمد انور محمد قاسم سلفی	
۷۵	ظل الرحمن سلفی	
۸۵	ادارہ	
۹۰	نور الہدی عین الحق سلفی	
۹۲		
۹۳		
۹۴		
۹۵		

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

ان دو فرقوں میں سے امن کا کون زیادہ مستحق ہے اگر تم جانتے ہو؟ (سورہ انعام: ۸۱)

عبداللہ سعود بن عبد الوحید

(۸)

اسلامی شریعت کی دوسری اساس احادیث رسول ہے، یہ بھی اسی طرح محفوظ ہے جس طرح قرآن محفوظ ہے، مگر اس میں اور اللہ کی کتاب میں فرق ہے، کتاب اللہ کو نبی کریم ﷺ نے خود اپنی حیات میں قلمبند کر دیا تھا، اور خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں آپ ﷺ کی وفات کے ایک ہی سال بعد اس کو ایک جگہ کتابی شکل میں جمع کر دیا۔ احادیث رسول وہ فرمودات نبوی اور آپ ﷺ کے عملی زندگی کی مکمل رپورٹ ہے جو امت کے لیے اسوۂ حسنہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ﴾ (سورہ احزاب: ۲۱) جو شخص رضائے الہی اور آخرت کی کامیابی کا خواہشمند ہے اس کو چاہئے کہ اللہ کے رسول کو اسوۂ حسنہ کے طور پر دیکھے۔ کچھ صحابہ کرام آپ کی احادیث کو بھی قلمبند کر رہے تھے، جب آپ کو علم ہوا تو آپ نے اس کو اس لیے پسند نہیں کیا کہ قرآن سے خلط ملط نہ ہو جائے۔

قرآن مجید کی مختلف آیتوں سے یہ بات واضح ہے کہ شریعت اسلامیہ سے متعلق آپ کی ہر بات وحی الہی ہوا کرتی تھی، جس کا ماننا امت کے لیے فرض ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر خاص و عام کے لیے یہ عام حکم فرمایا کہ: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ (سورہ حشر: ۷) رسول جو کچھ بھی دیں اس کو لے لو اور جس چیز سے بھی روکیں اس سے رک جاؤ۔

اسلامی تعلیمات کی مکمل تفصیل اور شریعت محمدیہ کے احکامات و منہیات کا ذخیرہ انہیں احادیث رسول کے مجموعہ سے دستیاب ہو سکتا ہے، ان احادیث کو چھوڑ کر نہ ہم اسلام کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ ہی اس پر مکمل طور پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ و حج کے تفصیلی احکامات، عائلی نظام سے متعلق مسائل، حکومت اور جنگ سے متعلق آپ کی ہدایات غرض انسانی زندگی کے ہر پہلو اور تمام امور سے متعلق آپ کے فرمودات اور آپ کا عملی نمونہ ان احادیث کے مجموعہ سے ہم حاصل کر سکتے ہیں جن کو ہم کتب حدیث کے نام سے جانتے ہیں۔

یہ حدیث کی کتابیں کیسے مرتب ہوئیں، اور اس کے مرتب کرنے والے محدثین کرام نے کیا کیا محنتیں کیں اور کتنی مشقتیں برداشت کیں اور اس کو جمع کرنے اور اس کی حقیقت کو جانچنے کے لیے کیا کیا کام کئے یہ بھی اسلامی تاریخ کی عجیب و غریب داستانیں ہیں، جن کے مطالعہ کے بعد نہ یہ کہ اسلامی تعلیمات کی حقانیت کا دل سے اقرار ہوتا ہے بلکہ ان محدثین کرام کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول محمد ﷺ کے ان بکھرے ہوئے موتیوں کو چن چن کر ایک جگہ جمع کر کے اسلام کی حفاظت کا کام کیا ہے۔ ☆

(جاری)

روزہ کا مقصد

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: "الصَّيَامُ جُنَّةٌ فَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَزِفْتُ وَلَا يَصْحَبُ فَإِنْ سَابَهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي صَائِمٌ". (بخاری مع الفتح ۸۸/۳)

صحابی رسول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: روزہ ایک ڈھال ہے اگر تم میں سے کسی کے روزہ کا دن ہو تو وہ گناہ کے کام اور بدگوئی نہ کرے اگر کوئی اسے گالی دے یا لڑائی کرے (تو اس کا بھی جواب دے کر اپنا روزہ خراب نہ کرے) تو وہ کہہ دے کہ میں روزہ ہوں۔

رحمت و غفران کا مہینہ رمضان المبارک عالم اسلام پر ساری نگن ہے، عبادت و ریاضت میں انہماک زوروں پر ہے، مسجدیں آباد ہیں، روزے کا اہتمام کیا جا رہا ہے، زبانیں ذکر و اذکار اور تلاوت قرآن سے تر ہیں یوں تو یہ عبادت و ریاضت کا مہینہ ہی ہے مگر اس ماہ کی سب سے نمایاں عبادت روزہ ہے جو اس امت پر بھی فرض ہے اور یہ امت اس عبادت کا اہتمام بھی بفضلہ تعالیٰ بہت کرتی ہے، لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ یہ عظیم الشان عبادت آج بعض حضرات کے نزدیک محض ایک رسم بن گئی ہے، لیکن وہ روزے دار جو روزہ کے مقصد سے ناواقف ہیں یا ان کو واقفیت تو ہے مگر اس کے حصول کے لئے کوشاں نہیں تو رمضان سے پہلے اور رمضان کے بعد کے ان کے عادات و معمولات میں کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ بحالت روزہ بھی ان کے معمولات وہی ہوتے ہیں جو دوسرے دنوں میں ہوتے ہیں، ہاں وہ طعام و شراب..... سے سحر تا افطار پر ہییز تو کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اس کے بغیر رسم روزہ ادا کیسے ہو؟ مگر گالی گلوچ، لڑائی جھگڑا، غیبت و جھگلی، جھوٹ و فریب، حسد و کینہ جیسے رذائل سے اپنے آپ کو نہیں بچاتے، گویا ان کا پیٹ تو روزہ رہتا ہے مگر زبان، آنکھ، کان، دل، ہاتھ، پیر روزہ سے نہیں ہوتے، اور اب تو ایسے روزہ دار بکثرت ہیں جو بحالت روزہ نماز بھی نہیں پڑھتے جبکہ نماز کے بغیر ایک مسلمان مسلمان نہیں رہتا، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معاشرہ مسلمانوں کے عمل میں یہ تضاد کیوں ہے؟

ایک طرف ایک عبادت کو وہ بڑے ذوق و شوق سے انجام دیتا ہے اور اس کے لئے پورا دن بھوک و پیاس کی تکلیف کو برداشت کرتا ہے، اور دوسری طرف وہ نماز جیسی مہتمم بالشان عبادت سے اسی روزہ کی حالت میں بھی غفلت برتتا ہے، ایک طرف روزہ کی حالت میں مباح کاموں (کھانے، پینے.....) سے اپنے آپ کو روک رکھتا ہے جبکہ یہ اس کی زندگی کی بنیادی ضرورتیں ہیں اور دوسری طرف حرام کاموں (جھوٹ، غیبت، لڑائی، جھگڑا) سے وہ پرہیز نہیں کرتا جبکہ ان کی وجہ سے زندگی کا راحت و سکون چھن جاتا ہے شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ دار کو روزہ کا پہلا سبق ہی یاد نہ رہا کہ ہم روزہ کس کے لئے رکھتے ہیں، اور کیوں رکھتے ہیں؟ اگر روزہ دار ان دو پہلو پر غور کرے تو بتو قیقاً الہی یہ تضاد دور ہو جائے۔

جب روزہ دار اللہ کا تقرب اور اس کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے روزہ رکھتا ہے تو اسی روزہ کی حالت میں حرام کاموں (ترک نماز، جھوٹ، غیبت، حسد.....) کا ارتکاب کر کے اپنے روزے کو خراب کیوں کرتا ہے، کیا مباح چیزوں سے پرہیز کر کے اور حرام کاموں کا ارتکاب کر کے اسے اللہ کا تقرب حاصل ہو سکتا ہے، ہرگز نہیں بلکہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے مباح چیزوں سے پہلے حرام کاموں سے دامن کو بچانا ہوگا، اور جو لوگ ایسا نہیں کرتے ان کی مثال اس شخص کی ہے جو نفل نمازوں کا تو اہتمام کرتا ہے مگر فرض نمازوں سے غفلت برتتا ہے۔

اللہ کے تقرب کا سب سے بڑا ذریعہ نماز ہے، بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں رہتا ہے، اسی طرح اللہ کے تقرب کا ایک اہم ذریعہ یہ بھی ہے کہ اس کے حدود پر قائم رہا جائے، تجاوز نہ کیا جائے، محرمات کا ارتکاب حدود اللہ کی خلاف ورزی ہے، اللہ کے حدود کو توڑ کر اس کی رضا و قربت حاصل نہیں کی جاسکتی۔

جب ایک روزہ دار اللہ کی خاطر روزہ رکھتا ہے تو اس اللہ کے جو بھی احکام ہیں انہیں اختیار کرنا ہوگا، اگر وہ ان احکام پر اپنی مرضی کے مطابق عمل کرے گا اور جو حکم اس کی مرضی کے موافق ہوگا اسے ہی اپنائے گا تو وہ اس صورت میں اللہ کے احکام پر نہیں بلکہ اپنی مرضی پر چلنے والا ہوگا۔ قرآن کریم میں اللہ نے فرمایا: ﴿فَان لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ اِنَّمَا يَتَّبِعُونَ اَهْوَاءَهُمْ﴾ پھر اگر یہ تیری نہ مانیں تو تو یقین کر لے کہ یہ صرف اپنی خواہش کی پیروی کر رہے ہیں۔ (نقص: ۵۰)

(بقیہ صفحہ ۴ پر)

افتتاحیہ

زمانہ نبوت و صحابہ میں صلح کے کچھ نمونے

بخاری شریف میں سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قباء والے باہم لڑ پڑے اور ایک دوسرے پر پتھر چلانے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے لوگوں سے فرمایا ہمیں لے چلو کہ ان کے درمیان صلح کرادیں، اس حدیث کا واضح فائدہ یہ ہے کہ حاکم لوگوں میں صلح کرانے کے لیے خود لوگوں کے ساتھ جاسکتا ہے، جھگڑنے والوں کی طرف سے بلاوے کا انتظار لازم نہیں ہے۔

اب ذیل میں ہم دور نبوت اور عصر صحابہ کے صلح کے کچھ نمونے پیش کر رہے ہیں:

(۱) اگر صلح ظلم پر ہو تو ایسی صلح قابل رد مانی جائے گی، اس اصول کی تائید بخاری کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ ایک دیہاتی آیا اس نے کہا اے اللہ کے رسول ہمارے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ کر دیجئے، پھر اس کا مخالف شخص کھڑا ہو گیا، اس نے کہا یہ ٹھیک کہتا ہے، ہمارے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ کر دیجئے، پہلے شخص دیہاتی نے کہا کہ میرا بیٹا اس کے یہاں خادم تھا، وہ اس کی بیوی سے زنا کر بیٹھا، لوگ کہنے لگے تیرے بیٹے کو سنگسار کیا جائے گا، میں نے سو بکریاں اور ایک لونڈی اپنے لڑکے کے بدلہ میں دے دی، پھر اہل علم سے پوچھا تو انہوں نے بتایا تمہارے بیٹے کو سو کوڑے لگیں گے اور سال بھر کے لیے شہر بدر کر دیا جائے گا، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ کی کتاب سے تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا، لونڈی اور بکریاں تم کو واپس ملیں گی اور تیرے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور سال بھر کے لیے شہر بدر کیا جائے گا، اور اے انیس بن ضحاک اس دوسرے شخص کی بیوی کے پاس جاؤ (اگر وہ زنا کا اقرار کرے) تو اس کو سنگسار کر دو، انیس اس کے پاس گئے اور اسے سنگسار کر دیا۔

چونکہ اس شخص کا لڑکا غیر شادی شدہ تھا اس لیے اسے سنگسار نہیں کیا جاسکتا تھا اس لیے بکریاں اور لونڈی واپس کرادی گئی، اور دیہاتی کی بیوی چونکہ شادی شدہ تھی لہذا اقرار کے بعد اسے سنگسار کر دیا گیا۔

(۲) حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: میرا یہ بیٹا سردار ہے، توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرادے، بخاری شریف میں حسن بصری سے مروی ہے کہ اللہ کی قسم حسن بن علی امیر معاویہ کے مقابل پہاڑوں جیسی فوجیں لے کر پہنچے تھے، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا میں تو ایسی فوجیں دیکھ رہا ہوں کہ یہ پیٹھ نہیں پھیریں گی، جب تک اپنے برابر والوں کو قتل نہ کر ڈالیں تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے جوان دونوں میں اللہ بہتر تھے کہا: اے عمرو! اگر انہوں نے باہم ایک دوسرے کو قتل کر ڈالا تو لوگوں کے امور کا کون ذمہ دار ہوگا اور ان کی عورتوں اور ان کے بال بچوں

کی خبر گیری کون کرے گا، چنانچہ معاویہؓ نے بنو عبد شمس کے دو قریشی آدمیوں عبدالرحمن بن سمرہ اور عبد اللہ بن عامر بن کریم کو حسن بن علیؓ کے پاس بھیجا اور کہا ان کے پاس جاؤ، صلح پیش کرو، ان سے بات چیت کرو اور جو کہیں وہ مان لو، وہ دونوں حسنؓ کے پاس آئے، ان سے بات کی اور صلح چاہی، حسن بن علیؓ نے جواب دیا ہم عبدالمطلب کی اولاد ہیں اور خلافت کی وجہ سے مال و دولت ہم بھی صرف کرنے لگے ہیں اور یہ ہماری فوج کے لوگ خون ریزی میں فرد ہیں، ان دونوں نے کہا معاویہؓ آپ کو بہت کچھ مال دینے پر تیار ہیں، وہ آپ سے صلح چاہتے اور آپ کا ہر مطالبہ پورا کرنے کو تیار ہیں، حضرت حسن نے کہا: اس کا ذمہ دار کون ہوتا ہے؟ ان دونوں نے کہا: ہم اس کے ذمہ دار ہیں، حضرت حسنؓ نے جوابات چاہی ان دونوں نے یہی کہا: ہم اس کے ذمہ دار ہیں، پھر حضرت حسن بن علیؓ نے معاویہؓ سے صلح کر لی۔

(۳) زبیر بن عوام رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد کا واقعہ ہے، وہ خود بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے اور ایک بدری انصاری صحابی سے مدینہ کے پتھر لیے علاقہ میں پانی کی نالی کے متعلق جھگڑا ہو گیا، اسی نالی سے دونوں اپنے باغات سیراب کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے زبیرؓ سے فرمایا تم اپنے باغ کو سیراب کر کے پانی اپنے پڑوسی کے لیے چھوڑ دو، اس پر انصاری غصہ ہو گیا اور بولا ایسا آپ نے اس لیے فیصلہ کیا کہ زبیر آپ ﷺ کے پھوپھی زاد ہیں، اس پر رسول اللہ ﷺ کے چہرہ کارنگ بدل گیا، آپ نے فرمایا: زبیر سیراب کر یہاں تک کہ پانی مینڈھوں تک چڑھ جائے، اب رسول اللہ ﷺ نے زبیر کو ان کا پورا حق دلا دیا، اس سے پہلے جو حکم آپ ﷺ نے دیا تھا اس میں زبیرؓ اور انصاری دونوں کے لیے کشادگی اور رعایت تھی، جب انصاری نے بے ادبی سے رسول اللہ ﷺ کو غصہ دلا دیا تو آپ ﷺ نے صاف حکم دے کر زبیر کو پورا حق دلا دیا۔

امام بخاری نے اس حدیث کی یہ سرنخی قائم کی ہے کہ جب حاکم صلح کا اشارہ کرے اور کوئی فریق نہ مانے تو حاکم صاف صاف حکم صادر کر دے۔

(۴) بیوی اور شوہر اگر باہم کسی بات پر صلح کر لیں تو صلح بہتر ہے۔ (سورہ نساء) بخاری شریف میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ سورہ نساء میں آیت کریمہ ”وان امرأة خافت من بعلها... الخ“ اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی شرارت یا بے پروائی سے ڈرتی ہو..... الخ۔ کا مطلب یہ ہے کہ مرد اپنی عورت میں بڑھا پایا کوئی اور بات دیکھ کر جو اسے ناپسند ہو اس سے جدا ہونا چاہے تو عورت شوہر سے کہے مجھے جدا نہ کرو بلکہ میرے لیے جو چاہو مقرر کر دو، پھر دونوں کسی بات پر راضی ہو جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

خیر القرون میں صلح کے بے شمار عمدہ نمونے ملتے ہیں، آج ہمیں ان کی پیروی کی سخت ضرورت ہے۔

تعاون، ہمدردی اور غمخواری کا مہینہ

تحریر: ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمۃ اللہ علیہ

اسلامی تعلیمات میں حسن سلوک، رحم و مروت اور ہمدردی و غمخواری کی تعلیمات بہت زیادہ ہیں، اور یہ حکم صرف انسانوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ ان کا دائرہ جانوروں تک وسیع ہے، ان تعلیمات میں جانوروں کے ساتھ حسن سلوک پر جنت کی خوشخبری اور ان کو بیجا تکلیف پہنچانے پر جہنم کی وعید ہے۔ اس نوعیت کی تعلیمات سے اسلام میں رحم و مروت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی صفات میں ”رحمن ورحیم“ کی صفات ہر مومن کی زبان پر ان گنت بار آتی ہیں جن کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کو ”رحمۃ للعالمین“ کا لقب دیا گیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی شخصیت اور زندگی میں وصف رحمت کی جلوہ گری بہت زیادہ ہے۔ قرآن کریم کو بھی ”شفاء ورحمت“ کے وصف سے موصوف کیا گیا ہے، اسی طرح ”اسلام“ کا لفظ صلح و سلامتی سے ماخوذ ہے۔ اور ان تمام پہلوؤں کو مجموعی طور پر ملحوظ کرنے سے اسلام کی روح اور اس کے مزاج کا اندازہ ہوتا ہے، اور منصف مزاج انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اس دین میں انسانی برادری کی فلاح و بہبود کو ہر چیز پر مقدم رکھا گیا ہے۔ جن تعلیمات و احکام میں بظاہر سختی محسوس ہوتی ہے ان کے نتائج بھی انسانوں کی ہمدردی و مروت کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

ان سطور میں ہم اسلام کی اس نوعیت کی تمام تعلیمات کا جائزہ نہیں لے سکتے، البتہ رمضان مبارک کی مناسبت سے صرف بعض تعلیمات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جن میں مسلمانوں کو اپنے دینی بھائیوں اور دوسرے تمام انسانوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم دیا گیا ہے۔ حسن سلوک کا یہ حکم ماہ رمضان کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام اوقات میں اس کی اہمیت ہے، لیکن رمضان میں چونکہ روزہ دار کو حسن سلوک کی اہمیت کا ذاتی طور پر تجربہ ہوتا ہے اس لئے اس مہینہ میں خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر آتا ہے۔ روزہ کی حالت میں جب انسان بھوکا پیاسا ہوتا ہے تو اسے ان مفلسوں، محتاجوں اور فاقہ کشوں کی حالت کا ذاتی تجربہ ہوتا ہے جو غربت کے باعث دو وقت کی روٹی نہیں پاتے، اور فاقہ کشی پر مجبور ہوتے ہیں، ایسے افراد کی مجبوری و محتاجی کو سمجھ کر ان کی مدد کرنا اور ان کے ساتھ ہمدردی و تعاون کا اظہار کرنا اسلام کی اہم تعلیم ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر اجر عظیم کا وعدہ ہے۔

جس طرح نعمت کی قدر مصیبت میں گرفتار ہونے کے بعد ہوتی ہے، اسی طرح آلام و احزان کا صحیح احساس ان میں مبتلا ہونے کے بعد ہوتا ہے، ساحل پر بیٹھ کر موجوں کا نظارہ لطف انگیز ہوتا ہے، لیکن طوفان میں موجوں کے تھپڑے

برداشت کرنے والوں سے پوچھنا چاہئے کہ ان کے دل پر کیا گزرتی ہے۔ جو لوگ فقر و فاقہ اور محتاجی و بیکسی میں مبتلا ہوتے ہیں ان کے دلوں پر جو گزرتی ہے اسے دوسرے لوگ آسانی سے محسوس نہیں کر سکتے، اور اگر محسوس کر لیں تو پھر زندگی کا لطف و آرام بھی بھول جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے رزق و دولت میں بندوں کے مابین امتیاز و تفاوت رکھا ہے، یہ چیز انسان آسانی سے سمجھ لیتا ہے، لیکن ایک شخص بے حساب دولت اور سامان راحت و تعیش کا مالک ہے، اور اسی کے پڑوس میں دوسرا آدمی دانہ دانہ کے لئے محتاج ہے، دونوں کے مابین تفاوت کو سمجھنا اور ان کے احساسات کی گہرائی میں اترا نا ایک حساس آدمی کا کام ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے مخلص و جاں نثار تبعین کے بارے میں منقول ہے کہ وہ لوگ کھانے پینے میں زیادہ کشادگی پسند نہیں کرتے تھے، بلکہ کبھی کبھی فاقہ بھی کر لیتے تھے تاکہ بھوک پیاس کی شدت اور محتاجوں کے دکھ درد کو محسوس کرنے میں آسانی ہو۔

ایک صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ مسلمانوں کی باہمی مروت، شفقت اور رحمدلی کی مثال ایک جسم کی طرح ہے کہ اگر اس کے کسی ایک عضو کو تکلیف ہو تو تمام اعضاء اس کی تکلیف و بے چینی محسوس کریں گے اور کسی کو بھی قرار و سکون نہ ہوگا۔ اس حدیث کی بلیغ تعبیر و تمثیل سے آپ مسلمانوں کے تعلقات کی گہرائی و مضبوطی محسوس کر سکتے ہیں، لیکن افسوس ہم عملی طور پر مذکورہ فرمان نبوت سے بہت دور چلے گئے ہیں، لہذا اب ہماری کیفیت یہ ہے کہ دوسرے مسلمان بھائی کی تکلیف اور درد محسوس کرنے کے بجائے اس کے لئے رنج و غم کا سامان فراہم کرتے ہیں، اور اسے اپنی تنگ و دو کا ایک حصہ بنائے رہتے ہیں۔

اسلام ماہ رمضان کو مواسات و غمخواری کا مہینہ بنا کر ہمارے مابین اسی اسلامی اخوت کی روح بیدار کرنا چاہتا ہے جس کا تذکرہ مذکورہ حدیث میں ہے، اور جس کا ایک نمونہ مدینہ منورہ میں مہاجرین و انصار کے مابین مواخات قائم ہونے کے بعد چشم عالم نے دیکھا تھا۔ روزہ کی حالت میں بندوں پر بھوک پیاس طاری کر کے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں غرباء و مساکین کے لئے نرمی و رحمدلی پیدا کرنا چاہتا ہے، اور ان کے اندر اس احساس کو زندہ رکھنا چاہتا ہے کہ اللہ کی عظمت و کبریائی کے سامنے کسی کی بڑائی کی کوئی حقیقت نہیں، جس طرح باری تعالیٰ اپنی ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوق کو اس کی روزی اور اس کا سامان زندگی مہیا کرتا ہے، اسی طرح تمہارا فرض ہے کہ معاشرہ کے کمزور و نادار لوگوں کی ضرورتوں کا خیال رکھو، اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرو تاکہ انہیں اپنی حرمان نصیبی کا احساس نہ ستائے۔

حضرت امام حسنؓ کے لڑکے عبداللہؓ سے کسی نے پوچھا کہ روزہ کیوں فرض ہوا؟ انہوں نے جواب دیا کہ امیروں کو بھوک کی تکلیف کا احساس دلانے کے لئے تاکہ وہ اپنا بچا ہوا کھانا فقراء کو دیدیں۔ کسی حاجتمند کی ضرورت پوری کرنے پر شریعت میں جواز ہے اس کا اندازہ ابن عمرؓ کی اس متفق علیہ روایت سے ہوتا ہے جس میں یہ بیان ہے کہ جب تک مومن

اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے کوشاں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی فرماتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک متفق علیہ روایت میں یہ وعدہ ہے کہ جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے۔ غور کیجئے کہ ضرورت مند انسان کی مدد کا شریعت میں کیا درجہ ہے، اور اس پر کتنے عظیم اجر کا وعدہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی بندے کی مدد اور حاجت روائی کا وعدہ فرما رہا ہے تو پھر اسے اور کس چیز کی ضرورت ہوگی اور کیسے اسے کوئی اندیشہ یا خوف لاحق ہوگا؟

ایک متفق علیہ حدیث میں ارشاد ہے کہ بیوہ اور مسکین کی بھلائی کے لئے کوشش کرنے والے مومن کا درجہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔

ایک صحیح حدیث میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جبریل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی اس کثرت سے تاکید فرماتے تھے کہ خیال ہوتا تھا کہ اسے میرے ترکہ میں وارث بنا دیں گے۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں حضورؐ نے حضرت ابو ذرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جب سالن پکاؤ تو شور بہ زیادہ کر دو تاکہ اپنے پڑوسیوں کی خبر گیری کر سکو۔

روزوں کے اختتام پر عید گاہ جانے سے پہلے صدقہ فطرا دل کرنے کا حکم ہے، اس کی وجہ حدیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ صدقہ فطر کے ذریعہ روزوں کی پاکی اور غریبوں کے لئے کھانے کی فراہمی مقصود ہے، یعنی اگر روزہ میں کوئی کمی رہ گئی ہو تو اس صدقہ سے دور ہو جائے گی، اسی طرح فقراء و مساکین کے لئے کھانے کا انتظام ہو جائے گا تو وہ بھی عید کی خوشی میں تمام مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو جائیں گے۔

اسلام نے غرباء و مساکین کی مدد کے لئے ایسی تعلیم پیش کی ہے کہ اگر اس کی پابندی کی جائے تو معاشرہ کے بے سہارا لوگوں کی مشکلات کا بڑی حد تک خاتمہ ہو جائے گا، اور مفلوک الحال طبقہ یہ محسوس کرے گا کہ اس کے دینی بھائی دکھ درد میں اس کے ساتھ ہیں۔ اسلام نے اس سلسلہ میں پہلا حکم زکاۃ کا دیا ہے، یعنی امیروں کے مال کی ایک متعین مقدار غریبوں کو سالانہ دی جائے گی، یہ اسلام کا ایک رکن ہے۔ پھر امیروں کو صدقہ خیرات کا حکم دیا گیا ہے، اسی طرح مختلف صورتوں میں مسلمان کفارہ ادا کرتے ہیں جن کے مستحق غرباء و مساکین ہی ہوتے ہیں، اس سے ہم یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اسلامی شریعت نے نادر طبقہ کی کتنی رعایت کی ہے، اور کس طرح ان کی غربت دور کرنے اور ان کی دل جوئی کرنے کا بندوبست کیا ہے۔

آج کی دنیا میں ہر کام غریبوں کی بہبود کے نام پر ہوتا ہے، لیکن اس طبقہ کی بد حالی و پریشانی ختم نہیں ہو پاتی، بلکہ یہ طبقہ مزید استحصال کا شکار ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن اسلام نے کسی طرح کا پروپیگنڈا کئے بغیر محتاجوں کی بہبود کا جو نظام قائم کیا ہے اس کی مثال اور کہیں نظر نہیں آتی۔ امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں اور امام ابن الجوزیؒ نے تاریخ عمر بن الخطابؓ میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ مدینہ کے ایک محلہ سے گزر رہے تھے، دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص ایک دروازہ پر بھیک مانگ رہا ہے، پوچھا کہ تم کون ہو اور کیوں بھیک مانگ رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ یہودی ہوں، جزیہ اور خانگی خرچ کے لئے مانگ رہا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے متاثر ہو کر کہا کہ انصاف نہ ہوگا کہ جوانی میں تم سے جزیہ لیں اور بڑھاپے میں تمہیں بے سہارا چھوڑ دیں، پھر اسے لے کر اپنے گھر گئے اور جو کچھ میسر تھا دیا، پھر بیت المال کے خازن کو لکھا کہ اس کے لئے اور اس جیسے دوسرے مجبوروں کے لئے اتنا وظیفہ مقرر کر دو کہ ان کی ضرورت پوری ہوتی رہے۔

مذہبی رواداری اور انسانی فلاح و بہبود کا نعرہ بلند کرنے والی آج کی دنیا میں آپ اس طرح کی مثال ڈھونڈ نہیں سکیں گے، آج سب کچھ نمائش و پروپیگنڈے کے لئے کیا جا رہا ہے اور غریبوں کو ادنیٰ فائدہ بھی حاصل نہیں ہو پاتا۔ ہمارے اسلاف نے جو معیار قائم کیا اس میں نمائش نہ تھی لیکن مجبور و بے سہارا لوگ مطمئن تھے، پھر بھی ہمارے ملک کا ایک طبقہ اسلامی حکمرانی کی تاریخ کو مسخ کر کے پیش کر رہا ہے، وہ چاہتا ہے کہ دنیا کے سامنے اسلام کی ایسی تصویر آئے جس میں انسانیت نوازی و عدل پروری کا کوئی شانہ نہ ہو۔ آج کے متمدن دنیا اندھی نہیں ہے، غلط پروپیگنڈے سے وہ متاثر نہ ہوگی بلکہ ہر چیز کو اس کی اصل شکل میں دیکھنا چاہے گی، پھر بھی ہم مسلمانوں کا فرض ہے کہ اپنی شریعت کے احکام اپنی زندگی میں نافذ کریں، اور اپنے کردار سے مخالفین کے منہ پر طمانچہ لگائیں۔ رمضان کا یہ مہینہ ہم سے تقاضہ کرتا ہے کہ خدا پرستی و تقویٰ شعاری اور انسانیت نوازی و غرباء پروری سے متعلق اسلام کی تمام تعلیمات کا عملی پیکر دنیا کے سامنے پیش کریں، اور استحصال و موقع پرستی کے کرب سے دکھی انسانیت کو سکون کی راہ دکھائیں۔



مقصد ماہ رمضان

مولانا عبدالغفار حسن رحمانیؒ

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت دنیا میں دو قسم کے افکار و خیالات پھیلے ہوئے تھے، اور انسانی آبادی افراط و تفریط کی دو انتہاؤں میں بٹی ہوئی تھی۔

۱- ایک خیال یہ تھا: ﴿ما ہی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یهلکنا الا الدھر وما نحن بمبعوثین﴾ (۱) بس جو کچھ ہے، یہی دنیاوی زندگی ہے، موت و حیات کا چکر اسی طرح چلتا رہتا ہے، ہمیں گردش زمانہ ہی ہلاک کرتی ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندگی اور حشر و نشر کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔
اس قسم کے خیالات میں مست رہنے والے افراد کے پیش نظر عیش پرستی، شکم پروری اور ہوس رانی کے سوا زندگی کا کوئی اور مقصد ہی نہ تھا۔

ان لوگوں کے نزدیک نہ کسی اخلاقی ضابطے کی پابندی ضروری تھی، اور نہ حلال و حرام میں کوئی امتیاز برتا جاتا تھا، اس قسم کے معاشرے کی حالت کا نقشہ قرآن پاک نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

﴿یأکلون کما تأکل الأنعام فالنار مثنوی لهم﴾ (۲) یعنی یہ لوگ (روحانی اور اخلاقی قدروں اور تقاضوں سے بے پروا ہو کر) کھانے پینے ہی کو زندگی کا اصل مقصد سمجھتے ہیں، اور ان کا حال مولیشیوں اور چوپایوں سے مختلف نہیں ہے، ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

اس قسم کی سوسائٹی میں نہ صرف یہ کہ روحانی اور اخلاقی قدروں سے بے نیازی برتی جاتی ہے بلکہ ان کو پامال کرنے اور نئی نسل کو ان سے متنفر اور باغی بنانے کے لئے ساری صلاحیتیں اور توانائیاں بھی صرف کردی جاتی ہیں۔

رقص و سرود (ناچ گانے) اور دوسری مخرب الاخلاق تفریحات اور تماشوں کے ذریعے پوری آبادی کو اپنے خالق و مالک سے بیگانہ اور عیش و عشرت کا رسیا بنا دیا جاتا ہے۔

یہ عیش پسند معاشرہ اپنی کج روی اور فاسقانہ، باغیانہ زندگی کی بنا پر جب اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو خدا کا تازیانہ حرکت میں آتا ہے اور چہل پہل سے بھر پور بستنیوں اور پُر شکوہ عمارات و محلات کی اینٹ سے اینٹ نچ جاتی ہے اور چشم زدن میں یہ ساری رونق و بہار ویرانی اور بربادی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

﴿وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَرْنَاهَا تَدْمِيرًا﴾ (۱) جب ہم کسی بستی کو (اس کے باشندوں کی بد عملیوں کی بنا پر) ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں، تو (اتمام حجت کے لئے) اس کے خوشحال طبقہ کو (نیکی کا) حکم دیتے ہیں، (لیکن) وہ فسق و فجور کی راہ اختیار کرتے ہیں، تو اس صورت میں اس بستی پر ہمارا قانون عذاب چسپاں ہو جاتا ہے، اور ہم اسے نیست و نابود کر ڈالتے ہیں۔

۲- کچھ خدا ترس لوگوں نے عیش پسند سوسائٹی کی خرابیوں اور نتباہ کن نتائج کو دیکھ کر اصلاح حال کے لئے ایسی راہ تجویز کی جس کی بنا پر وہ دوسری انتہا کو پہنچ گئے، یعنی خدا کا قرب اور دائمی راحت اس وقت حاصل ہو سکتی ہے، جب انسان دنیا کے معاملات اور ہر طرح کی راحتوں اور لذتوں سے کنارہ کش ہو کر غاروں، صحراؤں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر پناہ لے، قرآن کریم میں اس خیال کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد ہے: ﴿رَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ﴾ (۲)

ان لوگوں نے ترک دنیا کا جو طریقہ ایجاد کیا ہے، یہ ہم نے ان پر لازم نہیں کیا تھا۔ اس راہ کو اختیار کرنے کا معنی یہ نہیں کہ دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کا حق صرف فساق و فجار اور خدا سے باغی لوگوں کو ہی حاصل ہے، خدا کے وفادار بندے ان سے بے تعلق رہ کر بھی دنیا و آخرت میں نجات و کامرانی سے ہم کنار ہو سکتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس قسم کی ذہنیت رکھنے والے افراد کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ (۳) کہہ دیجئے کون ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی اس زینت اور پاکیزہ رزق کو حرام قرار دیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے۔

پہلی قسم کے خیالات ہوں یا دوسری نوع کے افکار، دونوں میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس سے انسان کے فطری تقاضے پورے ہو سکیں، اور وہ دنیا و آخرت میں حقیقی شادمانی و کامرانی سے سرفراز ہو سکے۔ انسان میں فطری طور پر تین قسم کی خواہشات پائی جاتی ہیں۔

(۱) کھانے پینے کی خواہش (۲) جنسی تعلق قائم کرنے کی خواہش (۳) راحت و آرام کی خواہش۔ اب اگر ان تینوں خواہشات کو بے قید آزادی دے دی جائے تو عیش پرستانہ زندگی میں انسان کا مبتلا ہو جانا یقینی ہے، اور اگر ان کو دبانے اور کچلنے کی کوشش کی جائے تو انسانیت کی تمام صلاحیتیں اور توانائیاں مفلوج ہو کر رہ جاتی ہیں، اسلام نے افراط و تفریط کی ان دو انتہاؤں کے درمیان اعتدال کی راہ پیش کی ہے۔

یہ اعتدال پیدا کرنا رمضان المبارک کا اولین مقصد ہے، اس بات کو قرآن حکیم نے ”لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ“ (تا کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو) سے واضح کیا ہے۔

روزے کی حالت میں دن بھر ایک مسلمان بھوک کی شدت، پیاس کی تیزی اور جنسی خواہش کے ہیجان کو قابو میں

(۱) الاسراء: ۶۱۔ (۲) الحدید: ۲۰۔

(۳) الاعراف: ۲۳۔

رکھتے ہوئے مذکورہ بالا اولین دو خواہشات کو اعتدال پر لانے کی کوشش کرتا ہے اور افطار کے بعد جب تھکا ماندہ جسم آرام کا طالب ہوتا ہے تو اس وقت وہ مؤذن کے بلانے پر نہ صرف یہ کہ نماز فرض و سنت ادا کرتا ہے بلکہ تراویح کی طویل نماز بھی اسے ادا کرنا پڑتی ہے۔

اس طویل عبادت کے بعد انسان پھر آرام کے لئے لیٹتا ہے اور صبح تک راحت و سکون کی طلب اس میں پائی جاتی ہے، لیکن پورے انتیس تیس دن اسے خلاف معمول پھر رات کے آخری حصے میں سحری کے لئے اٹھنا ہوتا ہے، اس طرح انسان کا جسم عیش و عشرت اور سکون و راحت کا دلدادہ ہونے کے بجائے مشقت اور جفاکشی کا عادی ہو جاتا ہے اور یوں اس کی تیسری خواہش بھی بے قید آزادی کا شکار ہونے سے بچ جاتی ہے۔

روزے سے جس توازن اور عدل کی شاہراہ پر انسان کا قدم اٹھتا ہے، وہی اسے تقویٰ کی منزل تک پہنچاتا ہے: "اعدلوا هو أقرب للتقویٰ" (۱) عدل کی راہ اختیار کرو، وہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اعتدال اور میانہ روی کی یہ کیفیت وہ ہے جس کی بناء پر انسان تقویٰ کی دولت سے مالا مال ہو کر اپنے رب کا قرب اور اس کی بے پایاں رحمت کا مستحق ہو سکتا ہے اور یہی رمضان المبارک کا اصل مقصد ہے۔

رمضان کی خصوصیات

رمضان کا مبارک اور مقدس مہینہ جن خصوصیات اور محاسن کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے، ان سب کی تفصیل تو اس مضمون میں ناممکن ہے، اس موقع پر صرف چند اہم اور نمایاں خصوصیات روزہ، قیام اللیل، اجتماعیت، تلاوت قرآن، انفاق فی سبیل اللہ، لیلۃ القدر اور اعتکاف کی تشریح اور تقاضوں کو بیان کرتے ہوئے ان کے نتائج اور ثمرات کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔

۱- فرض روزے اور ان کے ثمرات

۱- روزے کا پہلا ثمر ایمان کی از سر نو تازگی اور شادابی ہے، اللہ تعالیٰ کی صفات خصوصاً اس کے علیم وخبیر اور مالک یوم الدین ہونے پر جس طرح روزہ یقین پیدا کرتا ہے وہ اپنی تاثیر کے لحاظ سے بے نظیر ہے، روزے کی حالت میں بھوک پیاس کی شدت اور جنسی خواہش کے ہیجان پر وہی شخص قابو پا سکتا ہے جو مذکورہ بالا خدائی صفات پر ایمان رکھتا ہو، قانون کے ڈنڈے اور پولیس کے پہروں کے بغیر ایک مسلمان اپنے ایمانی تقاضے کی بنا پر اس فرض کو انجام دے سکتا ہے اور اسی طرح اس کی ایمانی قوت و حرارت میں مزید اضافہ ہو سکتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاتا ہے کہ افراد کی اصلاح کے لئے دو قسم کے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔

ا- باطنی یعنی قلبی کیفیات اور اندرونی حالت میں انقلاب اور تبدیلی پیدا کی جائے۔

ب- ظاہری یعنی بیرونی دباؤ اور تقریری قوانین کے ذریعے برائیوں کو روکنے اور نیکیوں کو نشوونما دینے کی کوشش کی جائے۔

اسلام نے یہ دونوں طریقے اختیار کئے ہیں، لیکن اس نے پہلے زیادہ توجہ باطنی اصلاح پر دی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے: ”ألا ان فى الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله ألا وهى القلب“۔ (۱)

یعنی سنو، جسم میں گوشت کا ایک ٹوٹھڑا ہے، اگر وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے، اور اگر وہ بگڑ جائے تو سارے جسم میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے، فرمایا یہ تو ٹھڑا دل ہے، قلبی کیفیات کو بدلنے اور پاکیزہ میلانات کو پیدا کرنے کے لئے نماز کے بعد اگر کسی عبادت کا مقام ہو سکتا ہے تو وہ روزہ ہے۔

۲- روزے کا دوسرا پھل اخلاص ہے، دوسری عبادات کا علم کسی نہ کسی طرح دوسرے افراد کو ہو سکتا ہے، لیکن روزہ ایک ایسی عبادت ہے کہ جب تک خود روزہ دار ہی اپنی زبان سے اس کا اظہار نہ کر دے، کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو سکتی، اس عبادت میں ریا کاری اور نمائش کا کم سے کم امکان پایا جاتا ہے، اسی بناء پر ایک حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

”الصوم لى وأنا أجزى به“ (۲) روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

۳- روزے کی بنا پر انسان میں صبر یعنی ضبط نفس اور اپنی خواہشات پر قابو پانے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، یہ بھی واضح رہے کہ اصحاب صبر کے لئے خدا کے ہاں ثواب بھی ان گنت ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿انما يوفى الصابرون أجرهم بغير حساب﴾ (۳) صبر والے خدا کے ہاں اپنا اجر بے حساب پائیں گے۔

۴- روزے کی وجہ سے انسان میں جذبہ شکر ابھرتا ہے اور خدا کی نعمتوں کی قدر و منزلت اسے معلوم ہوتی ہے، اور پھر یہ جذبہ اسے اپنے محسن حقیقی کی محبت سے وابستہ کر دیتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب مقام محبت حاصل ہو جائے تو پھر عبادت و اطاعت کی مثالیں بھی دو چند ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں، قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿ولتكبروا الله على ما هداكم ولعلكم تشكرون﴾ (۴) یعنی اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت کی نعمت تمہیں بخشی ہے، اس پر تم اس کی بڑائی بیان کرو تا کہ تم (احسانات کا) شکر ادا کرو۔

اسی جذبہ شکر کو ابھارنے کے لئے ایک حدیث میں حکم دیا ہے کہ دنیاوی لحاظ سے ان لوگوں کو دیکھو جو تم سے کم تر ہیں، اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ تم ان نعمتوں کو حقیر نہ سمجھو گے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی ہیں۔ (۵)

۵- روزہ انسان میں ہمدردی اور غمخواری کے جذبات کو ابھارتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے جس نے روزے دار کا

(۱) متفق علیہ

(۲) متفق علیہ

(۳) الزمر: ۱۰

(۴) البقرہ: ۱۷۷

(۵) متفق علیہ

روزہ افطار کرادیا، تو اس کو بھی روزے دار کے برابر ثواب ملے گا، اور جس نے پیٹ بھر کر کسی روزے دار کو کھانا کھلایا یا اسے اللہ تعالیٰ حوض کوثر کا جام پلائے گا، پھر میدان محشر میں پیاس ہی محسوس نہ ہوگی اور جس نے اپنے غلام یا ماتحت شخص سے کام لینے میں نرمی برتی اللہ تعالیٰ اس کی گردن کو جہنم سے آزاد کر دے گا۔ (۱)

۲- قیام اللیل

رمضان المبارک کی دوسری خصوصیت رات کا قیام یعنی شب بیداری ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

”من قام رمضان ایمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه“ (۲)

جس نے رمضان کے روزے ایمان کی بنا پر اور ثواب کی نیت پر رکھے تو اس کے گذشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔ قیام اللیل میں نفس کی تربیت جس طرح ہوتی ہے، اس کی وضاحت اس انداز سے کی گئی ہے: ﴿ان ناشئة اللیل ہی أشد وطئا وأقوم قبلا﴾ (۳) بلاشبہ رات کا اٹھنا نفس کو کچھ اور بات کے درست ہونے کے لئے زیادہ سازگار ہے۔ رات کے آخری حصہ میں نرم گرم بستر چھوڑ کر اللہ کی یاد کے لئے اٹھنا نفس پر انتہائی شاق گذرتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس پرسکون فضا میں اپنے رب سے مناجات اور سرگوشی کرنے میں جو لطف حاصل ہو سکتا ہے اس کا دسواں حصہ بھی دن کے ہنگامہ پر اور اوقات میں میسر نہیں آ سکتا۔

رسول اللہ ﷺ یوں تو دوسرے مہینوں کی نسبت رمضان میں شب (۴) بیداری کا خصوصی طور پر اہتمام فرمایا کرتے

(۱) بیہقی، مشکاۃ ص ۴۷۱، ج ۱ (قال العلامة الألبانی: إسناده ضعيف)

(۲) متفق علیہ

(۳) المزمل: ۶۔

(۴) رسول اللہ ﷺ ویسے تو سال بھر ہی قیام اللیل کرتے تھے، لیکن رمضان میں بھی خاص طور پر رات کا بڑا حصہ عبادت میں بسر کرتے، آپ کی شبانہ عبادت کا انداز اور معمول کیا تھا؟ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ آپ نماز عشاء کے بعد رات کو گیارہ رکعت نماز ادا کرتے تھے، ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیتے، ہر رکعت میں طویل قیام فرماتے، بسا اوقات سورہ بقرہ یا آل عمران یا النساء ایک ہی رکعت میں تلاوت فرماتے، یا اس سے کم و بیش مقدار قرآن ایک رکعت میں پڑھ لیتے، دوران قراءت کوئی آیت رحمت آتی تو اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت و مغفوکرم کا سوال کرتے اور اگر آیت عذاب پر سے گزرتے تو اس سے اللہ کی پناہ مانگتے، غرض پھر پھر کر قرآن پاک کی تلاوت فرماتے، طویل قیام کے بعد طویل رکوع فرماتے اور پھر طویل سجدہ، اس طرح رات کا جتنا حصہ بھی آپ عبادت کے لئے بیدار رہتے نماز اور قرآن میں مشغول رہتے، لیکن سنت کے مطابق رات کو عبادت کرنے کے بجائے ہم نے کچھ دوسرے طریقے اختیار کر رکھے ہیں، جن کو ترک کرنا ضروری ہے، مثلاً ایک ہی رات میں قرآن ختم کرنے کا رجحان پسندیدہ نہیں، ایسا شخص قرآن میں سے کچھ نہیں سمجھتا، ختم قرآن کے لئے آپ نے کم سے کم تین راتیں مقرر فرمایا ہے، نیز حفاظ اور قاری صاحبان رمضان میں بسا اوقات اتنی تیزی سے قرآن پڑھتے ہیں کہ سننے والوں کے پلے کچھ بھی نہیں پڑتا، یہ انداز قرأت قطعاً خلاف سنت ہے، ان حضرات کے پیش نظر قرآن کی تلاوت و ترتیل نہیں بلکہ اس کا ایک متعین حصہ ختم کرنا ہوتا ہے، حالانکہ رمضان کی تیس راتوں میں یہ پیشہ وارانہ انداز قراءت کسی طرح بھی مستحسن نہیں۔ بعض حضرات نماز اور قرآن کے ساتھ شب بیداری کرنے کے (بقیہ صفحہ گذشتہ)

تھے، لیکن آخری عشرے میں آپ کی جدوجہد اور بھی زیادہ تیز ہو جاتی تھی، جیسا کہ حدیث میں ہے:

”اذا دخل العشر شد مئزره وأحیی لیلہ وأیقظ أهله“ (۱)

یعنی جب (آخری) عشرہ شروع ہوتا، تو اپنی کمر کس لیتے، رات کو جاگ کر گزارتے اور گھر والوں کو بھی بیدار کرتے۔

۳- قرآن کا دور

رمضان المبارک کی تیسری خصوصیت اس ماہ میں قرآن کا نزول ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿شهر رمضان الذی

أنزل فیہ القرآن﴾ (۲)

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔

یہ انداز بیان ظاہر کر رہا ہے کہ رمضان اور قرآن کا آپس میں گہرا تعلق ہے، حقیقت یہ ہے کہ رمضان قرآن کی سالگرہ

منانے کا مہینہ ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ اس مہینے میں جبریل کے ساتھ قرآن کا دور فرمایا کرتے تھے، آخری سال آپ نے

دوبارہ دور فرمایا۔ (۳)

یہاں یہ بات واضح رہے کہ قرآن کے نزول کا مقصد یہ نہیں ہے کہ قرآن کو پوری تیزی کے ساتھ بے سمجھے بوجھے

تراویح میں پڑھ لیا جائے بلکہ قرآن مجید کا حق صحیح معنی میں اس وقت ادا ہو سکتا ہے جب اس کے نزول کے تین مقاصد پیش نظر

رکھے جائیں۔

﴿لتقرأہ علی الناس علی مکث﴾ (۴)

یعنی ہم نے قرآن کو اتارا ہے تاکہ اسے آپ اطمینان سے پڑھیں۔ (۵)

﴿کتاب أنزلناہ الیک مبارک لیدبروا آیاتہ﴾ (۶)

کا (بجائے مخصوص اور ادو وظائف ساری ساری رات پڑھتے رہتے ہیں، یہ بھی بڑی بد قسمتی اور محرومی کی بات ہے، ایک مسلمان کو چاہئے کہ ہر معاملہ میں رسول پاک کا اسوہ معلوم کرے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرے۔

(۱) متفق علیہ (۲) البقرہ: ۵۸۱۔

(۳) صحیح بخاری (۴) الاسراء: ۶۰۔

(۵) صحیح بخاری

(۵) مطلب یہ ہے کہ پورے سال کے دوران عموماً اور رمضان میں خاص طور پر مختلف اوقات میں تلاوت قرآن کا اہتمام کیا جائے اور یہ اختلاف اوقات

واحوال اس لئے ضروری ہے کہ جب طبیعت حاضر ہو اور اخذ مطالب کے لئے پوری طرح مستعد اس وقت قرآن کی تلاوت کی جائے، بے دلی اور بوجھل پن

کے ساتھ کوئی متعین حصہ قرآن کسی مقررہ وقت پر لازماً پڑھنا فہم قرآن کے اعتبار سے ٹھیک نہیں۔

(۳۲) ص: ۹۲۔

ہم نے برکت (۱) والی کتاب نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں غور و فکر کریں، اور تذبذب سے کام لیں۔

﴿إنا أنزلنا إليك الكتاب بالحق لتحكم بين الناس بما أراك الله﴾ (۲)

یعنی ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ اللہ تعالیٰ نے حق کی جو راہ آپ کو دکھائی ہے، اس کے مطابق آپ فیصلہ کریں، یعنی انسان اپنے نفس پر، اپنے گھر پر، ماحول پر، پورے ملک پر، بلکہ پوری دنیا پر، اللہ تعالیٰ کی کتاب کے غلبہ اور حکمرانی کو قائم کرنے کی جدوجہد میں لگ جائے، زندگی کا کوئی شعبہ اور معاشرہ کا کوئی حصہ بھی اس کی رہنمائی سے خالی نہ رہے۔

۴- انفاق فی سبیل اللہ

رمضان المبارک کی چوتھی خصوصیت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے، جیسا کہ ایک متفق علیہ حدیث میں آپ کی سخاوت کو کثرت و زیادتی کے لحاظ سے تیز ہوا (المرح المرسلۃ) سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احسانات خصوصاً نعمت قرآن کا شکر اسی طرح ادا ہو سکتا ہے کہ اس ماہ میں کثرت سے غرباء و مساکین کی مدد کی جائے، اور نیک کاموں میں باہم ایک دوسرے سے تعاون کیا جائے، اسی طرح روزہ دار اس ماہ میں اپنے دل سے بخل کے میل کچیل کو دور کر سکتا ہے اور اسے سخاوت و فیاضی کا خوگر بنا سکتا ہے، ان تمام خصوصیات پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ رمضان المبارک کے ذریعہ عبادت خالق اور خدمت (۳) خلق دونوں کی تربیت دی گئی ہے۔

۵- اجتماعیت

رمضان المبارک کی پانچویں خصوصیت اس میں اجتماعیت کا پہلو ہے، یہ وہ فضیلت ہے جو رمضان المبارک کے تمام

(۱) قرآن پاک برکت والی کتاب ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اس سے حصول برکت کی صحیح صورت اس کی آیات میں غور و فکر اور تذبذب سے کام لے کر حاصل کی جاتی ہے، مگر آج کے مسلمان نے قرآن پاک کی ساری برکت، اس کو چومنے، آنکھوں سے لگانے، اور اسے بے سوچے سمجھے پڑھنے اور بیش قیمت غلاموں کے اندر لپیٹنے میں سمجھ رکھی ہے، بایں ہمہ کوئی کسرہ جائے تو اسے قرآن میں آیات و سورتوں کے نقش اور تعویذ بنا کر لوگوں کی گردنوں میں لٹکانے یا بازوؤں کے ساتھ باندھ دینے یا پھر دھو دھو کر پلانے سے پورا کر دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس دور کے مسلمانوں کو ہدایت دے اور انہیں قرآن پاک کو سمجھ کر پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ وہ اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اس کی حقیقی برکت سے نفع اندوز ہو سکیں، آمین۔

(۲) النساء: ۵۰۱۔

(۳) کتاب و سنت کے زور سے رمضان میں انفاق فی سبیل اللہ کی بہت تاکید کی گئی ہے، مگر ہمارے معاشرے میں اللہ کی راہ میں دولت صرف کرنے کے بجائے کوشش کی جاتی ہے کہ اپنی ہی ذات پر صرف کر لی جائے، چنانچہ لذت کام و وہن کے لئے طرح طرح کے کھانے تیار کئے جاتے ہیں اور سحری کے وقت خوب پیٹ بھر کر کھائے جاتے ہیں، افطاری کے وقت بھی اکل و شرب میں خاطر خواہ تکلف اور مبالغے سے کام لیا جاتا ہے، ویسے بھی عمومی طور پر گھر کیلئے خراجات کے لئے ہاتھ خاصا کھلا رکھا جاتا ہے، مزید برآں عید سے بہت پہلے عید کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں، اور بڑے بوڑھوں سے لے کر خواتین اور چھوٹے بچے سب تک کے ارمان خوب خوب نکالے جاتے ہیں، اور ان ساری کارروائیوں کے دوران صرف دولت کا جو پہلو بہت حد تک یا بالکل ہی نظروں سے اوجھل رہتا ہے وہ ہے انفاق فی سبیل اللہ کا پہلو یعنی معاشرہ کے پس ماندہ طبقوں پر خرچ کرنا، بیمار معذور اور مقروض لوگوں پر خرچ کرنا، اور خاص طور پر قرابتداروں کی حاجت و ضرورت کا خیال رکھنا، اللہ تعالیٰ ادھر بھی توجہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

احکام و عبادات میں نمایاں ہے۔

روزہ رکھنے کا معاملہ ہر شخص کی اپنی صوابدید پر نہیں چھوڑ دیا گیا، بلکہ ماہ رمضان میں اسے ایک اجتماعی نظم میں گس دیا جاتا ہے تاکہ اس طرح سب مسلمان ایک ہی وقت میں سحری کھائیں، ایک ہی وقت پر روزہ افطار کریں اور عام طور پر ایک ہی وقت میں نماز تراویح کا بھی اہتمام کریں، اس حالت میں اگر کسی کا دل روزہ کی طرف راغب نہ بھی ہو تب بھی ماحول اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ روزے کی سعادت سے محروم نہ رہنے پائے، اس اجتماعی حکم کی بنا پر کمزور ایمان والے بھی ایمانی قوت کا سرمایہ حاصل کر سکتے ہیں اور عمل صالح کی کھیتوں کو سرسبز و شاداب بنا سکتے ہیں۔

۶- لیلۃ القدر

رمضان کی چھٹی خصوصیت لیلۃ القدر ہے، اس رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے۔ (۱) اس رات کو مندرجہ ذیل دعا پڑھنا مسنون ہے:

”اللهم انك عفو تحب العفو فاعف عني“۔ (۲)

اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند کرتا ہے، تو میری خطائیں معاف فرما۔

عام طور پر ستائیسویں شب کو ہی شب قدر سمجھا جاتا ہے، حالانکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کے آخری عشرے کی پانچ طاق راتوں میں سے کوئی ایک شب قدر ہوتی ہے، اس لئے ان پانچ راتوں کو خاص طور پر عبادت و تلاوت اور ذکر الہی میں گزارنا چاہئے۔

۷- اعتکاف

رمضان المبارک کی ساتویں خصوصیت اعتکاف ہے، رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے، لیکن آخری سال آپ ﷺ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔ (۳)

اسلام نے رہبانیت (ترک دنیا) سے منع کیا ہے، لیکن انسان کی یہ خواہش بھی فطری ہے کہ وہ بیکسوئی کے ساتھ گوشہ تنہائی میں اپنے رب سے سرگوشیوں میں مصروف ہو اور اس کے حضور میں گرگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگے، اور آئندہ کے لئے از سر نو اطاعت و وفاداری کا عہد و پیمانہ باندھے، اعتکاف کو مستحب قرار دے کر انسان کی اسی خواہش کو پورا کیا گیا ہے۔



(۱) القدر: ۳۔

(۲) جامع ترمذی (کتاب الدعوات، باب ۵۸ ح ۳۱۵۳)

(۳) صحیح بخاری

رویت ہلال واختلاف مطالع: ایک تحقیقی جائزہ

تحریر: مولانا محمد مستقیم سلفی / استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

رمضان المبارک کا روزہ رکھنا اسلام کے پانچ ارکانوں میں سے ایک اہم اور موثر رکن ہے، ہر علاقے اور ملک کے مسلمان اس عبادت کی ادائیگی کا مکمل طور پر اہتمام کرتے ہیں، اس لئے کہ یہ برکتوں کا مہینہ ہے، جس میں ایمان کے ساتھ حصول ثواب کی نیت سے روزہ رکھا جائے تو اللہ تعالیٰ گناہوں کو بخش دیتا ہے، نیکیوں کا ثواب عام حالات میں دس گنا ہے لیکن اس ماہ میں نیکیاں اور بڑھادی جاتی ہیں، دعائیں قبول کی جاتی ہیں برائیوں کو مٹا دیا جاتا ہے۔

یہ وہ باعظمت مہینہ ہے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "احصوا ہلال شعبان لرمضان لوگو! رمضان کی حفاظت کے لئے شعبان کو شمار کرتے رہو تاکہ رمضان کے ایام میں کمی یا زیادتی نہ ہو جائے، اگر شعبان کی انتیس تاریخ کو رمضان مبارک کا چاند بدلی یا آسمان کے صاف نہ ہونے کی بنا پر نظر نہ آئے تو شعبان کے تیس دن پورے کر کے روزہ شروع کرو۔

صحیح بخاری (۲۵۶/۱) میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ: "أن رسول الله ﷺ ذكر رمضان فقال لا تصوموا حتى تروا الهلال ولا تفتروا حتى تروه فان غم عليكم فاقدروا له" یعنی رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ روزہ نہ رکھو یہاں تک کہ چاند دیکھ لو اور افطار نہ کرو حتیٰ کہ چاند دیکھ لو، اور اگر بدلی کی وجہ سے تمہیں چاند نہ نظر آئے تو تم اس کو ٹھیک ٹھیک اندازہ قائم کرو، "فاقدروا" کے متعلق حافظ ابن حجر فتح الباری (۱۲۱/۴) میں لکھتے ہیں:

"فاحتمل ان يكون المراد التفرقة بين حكم الصحو والغيم، فيكون التعليق على الروية متعلقا بالصحو، واما الغيم فله حكم آخر، ويحتمل ان لا تفرقة ويكون الثانى مؤكداً للأول" یعنی اس بات کا احتمال ہے کہ "فاقدروا له" سے مراد بدلی اور بغیر بدلی کے حکم میں تفریق کرنا مقصود ہو تو اس صورت میں جب کہ آسمان بالکل صاف ہو تو رویت پر معلق ہوگا اور بدلی کا حکم دوسرا ہے، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ فرق کرنا مقصود نہ ہو تو اس صورت میں دوسرا پہلے کے لئے تاکید ہو جائے گا۔ اور بخاری (۱۲۳/۴) کی روایت "فلا تصوموا حتى تروه" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ليس المراد تعليق الصوم بالروية في حق كل احد، بل المراد بذلك روية بعضهم وهو من يثبت به ذلك أما واحد على رأى الجمهور واثنان على رأى آخرين" یعنی اس حدیث نبوی کا مقصد یہ نہیں کہ ہر شخص چاند دیکھے تبھی روزہ رکھے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ قابل اعتبار لوگوں کی رویت پر بھی روزہ رکھا جاسکتا ہے، جمہور کی رائے کے مطابق ایک آدمی کا دیکھنا کافی ہے اور دوسرے لوگوں کی رائے کے مطابق دو آدمی کا دیکھنا کافی ہے، اور

اس کے علاوہ اس معنی و مفہوم کی متعدد روایات کتب احادیث میں موجود ہیں، جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ روزہ کا دار و مدار میں شعبان کی تکمیل ہے یا چاند دیکھ کر روزہ رکھنا اور چاند دیکھ کر افطار کرنا ہے۔

مذکورہ تمام روایات میں روزہ رکھنے اور عید منانے کا دار و مدار چاند دیکھنے پر رکھا گیا ہے۔

اختلاف مطالع

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی ایک خطے کی رویت ہلال کو دنیا کے ہر خطے کے لئے رویت تسلیم کیا جاسکتا ہے یا نہیں، مطالع کا مختلف ہونا نظام کائنات کا ایک حصہ ہے اور یہ ایک واقعاتی چیز بھی ہے، اس لئے ائمہ سلف کا اس میں کبھی

اختلاف نہیں رہا، البتہ اختلاف اس میں ہے کہ روزہ رکھنے اور ترک کر دینے میں اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں میرے نزدیک راجح قول وہی معلوم ہوتا ہے جو تجدید مطالع کے قائل ہیں، علم ہیئت کے اعتبار سے بھی

اور شرعی حیثیت سے بھی۔

رویت ہلال کی حقیقت علم ہیئت کی روشنی میں

جدید علم ہیئت میں آسمان کا وجود نہیں، یہاں فضا ہی فضا ہے اور اسی فضا میں آفتاب و ماہتاب اور دیگر سیارے ایک دوسرے سے معینہ فاصلہ پر باہمی کشش سے قائم ہیں، پھر چونکہ سورج سب سے بڑا ہے اس لئے وہ تو کسی کے گرد نہیں گھومتا البتہ دوسرے سیارے سورج کے گرد گھومتے اور چکر لگاتے ہیں، چونکہ زمین بھی ایک سیارہ ہے جو سورج کے گرد ایک بیضاوی راستہ پر اپنے محور سمیت ایک سال میں ایک چکر لگاتی ہے، جس سے موسم میں اختلاف رونما ہوتا ہے، اور اس پورے ایک چکر کو علم ہیئت والے ۳۶۰ برابر حصے میں تقسیم کر کے ہر حصہ کا نام درجہ رکھتے ہیں۔

پھر زمین ایک دوسری حرکت بھی کرتی ہے یعنی اپنی محور پر ۲۴ گھنٹہ میں ایک چکر پورا گھوم جاتی ہے جس سے دن رات پیدا ہوتے ہیں چونکہ زمین اپنے محور پر مغرب سے مشرق کی طرف گھومتی ہے اس لئے سورج مغرب کی طرف جاتا ہوا معلوم پڑتا ہے، جیسے آپ ریل گاڑی میں بیٹھے ہوں اور ریل گاڑی مشرق کی طرف جا رہی ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام درخت وغیرہ مغرب کی جانب جا رہے ہیں حالانکہ وہ اپنی جگہ کھڑے ہیں اور ریل گاڑی ہی مشرق کی طرف جاتی ہے۔

اب آئیے چاند کو دیکھیں تو وہ زمین کے گرد ایک مہینہ یعنی ۳۰ دن میں ایک چکر پورا کرتا ہے لہذا چاند ایک مہینہ یعنی ۳۰ دن میں ۳۶۰ درجے طے کرتا ہے اس لئے ایک دن میں ۳۶۰/۳۰ = ۱۲ درجے طے کرتا ہے اور ایک دن یعنی چوبیس گھنٹے میں چاند ۱۲ درجے مغرب سے مشرق کی طرف ہٹ جاتا ہے اور ایک گھنٹہ میں آدھا درجہ جیسا کہ ناظرین دیکھتے ہیں کہ روزانہ چاند مشرق کی جانب ہٹتا جاتا ہے اور چودھویں تاریخ کو جب سورج مغرب میں ڈوبتا ہے تو چاند مشرق سے طلوع ہوتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ چاند کی روشنی ذاتی نہیں ہے بلکہ سورج کی شعاع سے چاند روشن ہوتا ہے اور چاند کا وہ نصف

کرہ جو سورج کے سامنے پڑتا ہے وہ برابر روشن رہتا ہے اور دوسرا نصف کرہ جو سورج کے سامنے نہیں پڑتا ہے ہمیشہ تاریک رہتا ہے اب چاند کے ماہانہ چکر کی وجہ سے کبھی اس کا پورا روشن حصہ ہمارے سامنے ہوتا ہے جیسا کہ چودھویں رات میں، اور کبھی اس کا پورا تاریک حصہ ہمارے سامنے پڑتا ہے جیسا کہ اٹھائیسویں تاریخ کی رات ہے۔

اسی طرح مختلف تاریخوں میں اس کا روشن حصہ کم و بیش نظر آتا ہے یعنی جتنا ہی چاند سورج سے زیادہ فاصلہ پر ہوگا اتنا ہی اس کا روشن حصہ ہمیں زیادہ نظر آئے گا، چنانچہ چودھویں رات کو جب چاند سورج سے سب سے زیادہ فاصلہ پر ہوتا ہے تو اس کا روشن حصہ پورا نظر آتا ہے اور جب کم فاصلہ پر ہوتا ہے تو کم نظر آتا ہے اور جب بالکل قریب آجاتا ہے یعنی اٹھائیسویں تاریخ کو تو بالکل نظر نہیں آتا ہے، پھر جب اٹھائیسویں یا تیسویں تاریخ کو دوبارہ اتنے فاصلہ پر ہو جاتا ہے کہ اس کے روشن حصہ کا کنارہ نظر آنے لگتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ہلال نظر آیا، پھر یہ فاصلہ کسی مہینہ کی انتیس یا تیس کو کم رہتا ہے تو چاند باریک اور نیچا دکھائی دیتا ہے اور کسی مہینہ میں یہ فاصلہ زیادہ ہوتا ہے تو چاند موٹا اور اونچا نظر آتا ہے۔

اب یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ چاند اور سورج میں کم از کم کتنا فاصلہ ہو تو چاند نظر آئے گا، اس سلسلہ میں علم ہیئت والوں نے رصد گاہوں میں یہ تجربہ کر کے بتلایا ہے کہ چاند اور سورج کے درمیان فاصلہ کم از کم ساڑھے دس درجہ ہو تب چاند نظر آئے گا، تو معلوم ہوا کہ اگر یہ فاصلہ دس درجہ پر ہے تو چاند نظر نہیں آئے گا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ چاند روزانہ ۲۴ گھنٹہ میں ۱۲ درجہ مغرب سے مشرق کی طرف ہٹتا ہے اور ایک گھنٹہ میں آدھا درجہ، اور چاند سورج کے درمیان کم از کم ساڑھے دس درجہ کا فاصلہ ہو تب چاند نظر آئے گا ورنہ نہیں، اور اگر یہ فاصلہ دس درجہ ہو تو چاند نظر نہیں آئے گا۔

لہذا معلوم ہوا کہ اگر کسی مہینہ کی انتیس تاریخ کو ساڑھے دس درجہ کے فاصلہ پر بمبئی میں چاند نظر آیا تو کلکتہ میں اس روز چاند بالکل نظر نہ آئے گا، اس لئے کہ کلکتہ اور بمبئی کے طلوع و غروب میں کم از کم ایک گھنٹہ کا فرق ہے تو کلکتہ میں چاند سورج سے دس ہی درجہ کے فاصلہ پر ہوگا، اور چاند نظر آنے کے لئے فاصلہ کم از کم ساڑھے دس درجہ چاہئے، البتہ کلکتہ میں دوسرے دن چاند سورج سے ۲۲ درجہ دور ہو کر موٹا اور اونچا نظر آئے گا۔ اور یہ چاند اسی دن کا ہو گا کہ اس سے پہلے والے دن کا۔ لہذا کلکتہ میں یہ چاند کی پہلی تاریخ ہوگی اور بمبئی میں دوسری، اس سے معلوم ہوا کہ پوری دنیا کے ہر خطہ کی رویت میں وحدت اور یگانگت ممکن نہیں ہے۔

رویت ہلال کی حقیقت شرعی حیثیت سے

رویت ہلال کے سلسلہ میں متعدد حدیثیں آئی ہیں، جن کی بنا پر علمائے سلف میں اختلاف ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عون المعبود، تحفۃ الأحموزی، مرعاة المفاتیح، دلیل کی روشنی میں میرے نزدیک راجح مسلک وہی ہے جو عام علمائے اہلحدیث اور علمائے شوافع کا ہے، علامہ محی الدین نووی شارح صحیح مسلم (۱/۳۴۸) پر رقمطراز ہیں: "والصحيح عند اصحابنا ان

الروية لا تعم الناس بل تختص بمن قرب على مسافة لا تقصر فيها الصلاة وقيل اتفق المطلع لزمهم“ یعنی ہمارے اصحاب کے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ ایک جگہ کی رویت ہلال تمام لوگوں کے لئے عام نہیں ہے، بلکہ اتنی دور تک اس کا حکم ہوگا جہاں تک جانے میں نماز قصر نہ کرنا پڑے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر مطلع متحد ہو تو وہاں کے رہنے والوں پر لازم ہوگا، یہی مسلک اہل عراق اور امام بغویؒ کا بھی ہے۔ ان لوگوں کی دلیل درج ذیل روایت ہے: ”عن كريب“ أن أم الفضل بنت الحارث بعثته الى معاوية بالشام قال: فقدمت الشام فقضيت حاجتها واستهل على هلال رمضان وانا بالشام فرائنا الهلال ليلة الجمعة، ثم قدمت المدينة في آخر الشهر فسألني ابن عباس ثم ذكر الهلال فقال متى رأيتم الهلال؟ فقلت رأيناه ليلة الجمعة، فقال انت رأيته ليلة الجمعة؟ فقلت نعم ورآه الناس فصاموا وصام معاوية فقال لكن رأيناه ليلة السبت فلانزال نصوم حتى نكمل ثلاثين يوما أو نراه فقلت ألا تكتفى بروية معاوية وصيامه؟ قال لا هكذا امرنا رسول الله ﷺ“۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی وغیرہ)

حضرت کریب سے روایت ہے کہ ام الفضل بنت حارث نے انہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام بھیجا اور جب میں شام پہنچا اور ان کا کام کر لیا اور میں شام ہی میں تھا کہ رمضان کا چاند طلوع ہوا، اور ہم لوگوں نے جمعہ کی رات چاند دیکھا، پھر رمضان کے آخر میں میں مدینہ آیا، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جہاں بہت سی باتیں مجھ سے پوچھیں وہیں چاند کے بارے میں بھی دریافت کیا کہ تم لوگوں نے چاند کب دیکھا؟ میں نے جواب دیا کہ ہم لوگوں نے جمعہ کی رات کو چاند دیکھا، انہوں نے کہا کہ کیا تم نے بھی اسے دیکھا؟ میں نے کہا ہاں! اور لوگوں نے بھی دیکھا ہے اور سب نے روزہ بھی رکھا، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی روزہ رکھا، اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم لوگوں نے تو سینچر کی رات کو چاند دیکھا ہے اس لئے ہم لوگ تو اس وقت تک روزہ رکھیں گے جب تک کہ تمیں پورے نہ ہو جائیں یا ہم لوگ (۲۹) کا چاند دیکھ لیں، تو میں نے کہا کہ کیا آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے چاند دیکھنے اور روزہ رکھنے کو کافی نہیں سمجھتے؟ انہوں نے فرمایا نہیں، ہم کو رسول اللہ ﷺ نے ایسے ہی حکم دیا ہے۔

یہ روایت اس بات کی صریح دلیل ہے کہ ایک شہر یا جگہ کی رویت دوسرے شہر اور خطے کے لئے کافی نہیں اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا: ”هكذا امرنا رسول الله ﷺ“ کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح حکم دیا ہے، یہ اس بات کے لئے واضح ثبوت ہے کہ یہ حکم رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، اور حضرت عبداللہ ابن عباس کا شام کی رویت کا اعتبار مدینہ والوں کے لئے نہ کرنا واضح دلیل ہے کہ رویت ہلال کے مسئلہ میں اختلاف مطالع کا اعتبار کرنا لازم ہے۔ اس لئے امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں باب باندھا ہے: ”باب بيان لكل بلد رويتهم وانهم اذا رؤا الهلال ببلد

لا یثبت حکمہ لما بعد عنہم“ (مسلم/۱/۳۱۹) اور امام ترمذی نے بھی اپنی جامع میں باب باندھا ہے: ”باب ما جاء لكل اهل بلد رویتهم“ -

محدث کبیر حضرت مولانا عبید اللہ صاحب مبارکپوریؒ اپنی کتاب مرعاة المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح (۶/۴۲۸) پر لکھتے ہیں: ”وینبغی ان یرجع لذلك الی علم الهيئة الجديدة ويعتمد على الجغرافية الحديثة وقد قالوا ان كان الهلال فی بلد على ارتفاع ثمان درجات من الارض عند غروب الشمس یعنی ان كان ارتفاعه من الافق عند غروبها بحيث انه لا یغرب الا فی اثنتین وثلاثین دقيقة، فلا بد ان يكون فوق الافق فی جميع البلاد الشرقية الی خمس مائة میل وستین میلا من ذلك البلد، ویری فی جميع هذه البلاد الشرقية الكائنة فی هذه المسافة الطويلة لو لا المانع من الغيم والفتور ونحوهما فاذا حصلت روية الهلال فی بلد وثبتت يكون تحقق الروية فی البلاد الواقعة فی المغرب من ذلك البلد من مسلمات علم الهيئة، وقد ظهر بهذا أن الهلال اذا روى فی بلد غربی ینبغی ان تعتبر هذه الروية الی خمس مائة میل وستین میلا فی جهة المشرق من ذلك البلد، واما فی البلاد الغربية منه فتعتبر مطلقا أى من غير تقييد بمسافة معينة واللہ تعالی اعلم“ -

یعنی اس سلسلہ میں مناسب ہے کہ رجوع کیا جائے جدید علم ہیئت کی طرف، اس علوم کے ماہرین کہتے ہیں کہ غروب آفتاب کے وقت اگر کسی جگہ چاند افق سے آٹھ درجہ بلند ہو تو وہاں رویت ہوگی، افق سے آٹھ درجہ بلند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ غروب آفتاب کے وقت چاند اتنا بلند ہو کہ سورج کے غروب ہونے کے ۳۲ منٹ بعد چاند غروب ہو تو اس جگہ سے مشرق کی جانب پانچ سو ساٹھ میل کی دوری تک ہر جگہ چاند کی رویت ہوگی بشرطیکہ مطلع بالکل صاف ہو، علم ہیئت کے ماہرین کے اس قول سے صاف ظاہر ہے کہ اگر کسی شہر میں چاند نظر آ گیا تو اس کا اعتبار مشرق میں پانچ سو ساٹھ میل تک ہوگا، البتہ مغرب میں بلا کسی قید و حد کے رویت کا اعتبار ہوگا۔

مولانا شمس الحق سلفی رحمہ اللہ ایک فتویٰ کا جواب دیتے ہوئے اخیر میں لکھتے ہیں: ”تمام کا خلاصہ یہ ہے کہ ہلال عمید کے لئے دو شاہد عادل ہوں اور اختلاف مطلع نہ ہو تو شہادت معتبر ہوگی۔“

(فتاویٰ قلمی رجسٹر جلد: ۱، دارالافتاء جامعہ سلفیہ، بنارس)

روزے کے احکام

مولانا عبدالکبیر مبارکپوری
استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على النبي الكريم . و بعد
انسان کے وجود کا الہی مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی ساری زندگی اللہ کا ایک بندہ بن کر گزارے۔ ہر حال میں اپنے رب کی
رضا جوئی میں لگا رہے اور ایسے امور سے کنارہ کش رہے جو اس کی بندگی کو داغ دار کرتے ہوں۔

(وما خلقت الجن والانس إلا ليعبدون)

”میں نے جن و انس کو صرف اس لئے وجود دیا کہ وہ میری بندگی کریں۔“

جس طرح انسانی وجود کا ایک مقصد ہے اسی طرح انسان پر عائد کی گئی پابندیوں اور عبادتوں کے بھی مقاصد ہیں۔ پہلا
اور سب اہم مقصد تو یہی ہے کہ ان عبادت و اعمال کو اظہار بندگی کا نہایت خلوص کے ساتھ ذریعہ بنایا جائے اور انھیں عاجزانہ
کمال کے ساتھ ادا کیا جائے۔

دوسری طرف مقصد یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعہ بندوں میں انسانی کمالات پیدا ہوں۔ کوئی بھی عبادت ایسی نہیں ہے
جو ضمیر میں، سوچ و فکر میں کوئی نہ کوئی ایجابی اور مفید اثر نہ پیدا کرتی ہو، بلکہ شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بعض عبادت کے مفید
جسمانی و فکری اثرات بھی دیکھے گئے ہیں۔

روزہ بھی ایک عبادت ہے۔ اور اس عمل میں بھی مذکورہ خوبیاں موجود ہیں۔ وہ اگر ایک طرف تقویٰ، للہیت،
خلوص، ہمدردی اور غم گساری جیسے کمالات پیدا کرتا ہے تو دوسری طرف جسمانی طور پر پھر تپتا، چاق و چوبند اور جواں ہمت
بھی بناتا ہے۔

عبادتِ روزہ ان پانچ ستونوں میں سے ہے جن پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے اور بطور فریضہ مومنوں کے اوپر عائد
کی گئی ہے۔

(يا ايها الذين آمنوا كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم
تتقون) (سورة البقرة)

”اے مومنو! تمہارے اوپر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسے ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے، تاکہ تم متقی بنو۔“

حدیث میں ہے:

”بنی الاسلام علی خمس : شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمداً عبده ورسوله وإقام الصلاة وإيتاء الزكاة وحج البيت وصوم رمضان“۔ (مسلم)

”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: شہادت دینا کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔“

روزہ کی فرضیت پر قرآن اور حدیث کی دلیل کے علاوہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر بلا نزاع اتفاق و اجماع ہے کہ روزہ فرض ہے۔

روزہ ایک پُر مشقت عمل ہے۔ انسان کو اس حالت میں کئی ایسی اشد ضرورتوں اور خواہشوں سے دست بردار ہونا پڑتا ہے جن سے دست برداری عام حالات میں سخت دشوار ہے۔ شریعت نے بھی اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا ہے بلکہ کچھ استثنائی حالتوں کا بھی تذکرہ کیا ہے جن میں روزہ فرض نہیں رہ جاتا۔

یہ عبادت اس مسلمان پر فرض کی گئی ہے جو صاحب عقل ہو، بالغ ہو اور اداء و قضاء کی حیثیت سے روزہ رکھنے پر قادر ہو۔ ان سے روزہ کا وجوب اور فرضیت ساقط ہو جاتی ہے جن کی عقل میں اختلال ہو یا وہ ایسی عمر میں جو شعور و ادراک کی اور ذمہ داری کی عمر نہیں ہے۔ ان پر روزہ اس وقت واجب ہوگا جب یہ عارضی حالت دور ہو جائے۔

”رفع القلم عن ثلاث ، عن الصبي حتى يبلغ وعن المجنون حتى يفيق وعن النائم حتى يستيقظ۔“۔ ”تین طرح کے لوگوں کو ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا گیا ہے۔ بچوں کو جب تک کہ بالغ نہ ہو جائیں، پاگلوں کو جب تک کہ درست نہ ہو جائیں اور سوئے ہوئے لوگوں کو جب تک کہ بیدار نہ ہو جائیں۔“ (حدیث)

اسی طرح جو روزہ پر قدرت نہ رکھتے ہوں یا جن کو کافی مشقت کا سامنا ہو ان سے بھی روزہ کی فرضیت ساقط ہے۔ ان کو اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھیں اور مسکین کو کھانا کھلا دیں۔

ماہ رمضان کی ابتداء:

(فمن شهد منكم الشهر فليصمه) (قرآن)

”تم میں سے جو مہینہ پائے اسے مہینہ کا روزہ رکھنا ہوگا۔“

مذکورہ آیت سے مہینہ بھر کے روزہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ مہینہ کا آغاز اور انجام نئے چاند کا نکلنا ہے۔ لہذا چاند دیکھ کر یا دوسرے لفظوں میں مہینہ کے آغاز کی تصدیق ہونے پر ہی روزہ رکھا جائے گا۔

”صوموا لرؤيته و أفطروا لرؤيته“ (حدیث)

”چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید مناؤ۔“ (بخاری مسلم)

”فان غم عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين۔“ (بخاری مسلم)

”اگر تمہارے لئے فضا برآلود ہو جائے تو شعبان کی تعداد میں دن پورے کرو۔“
 فضا کی آلودگی کبھی بھی ہو سکتی ہے۔ اس غیر یقینی صورت حال کے پیش نظر کیا یہ درست ہوگا کہ روزہ جیسی اہم عبادت کے لئے اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ ۲۹ شعبان کو بھی بطور احتیاط رمضان کی نیت سے روزہ رکھ لیا جائے؟ شریعت میں اس احتیاط کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ مذکورہ حدیث ایسی صورت حال میں شعبان کے تیس دن پورے کرنے کی تاکید کرتی ہے۔ دوسری طرف شک کے دن کے روزہ ممنوع بھی قرار دیا گیا ہے۔

”نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن صوم یوم الشک۔“ (حدیث)
 ”نبی ﷺ نے شک کے دن کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔“

غرض اس مبینہ احتیاط سے اوپر مذکور تینوں حدیثوں کی مخالفت لازم آتی ہے جو کسی طرح بھی ایک مسلمان کے لئے درست نہیں قرار دی جاسکتی۔ بلکہ اس مزعومہ احتیاط سے ”نیکی برباد گنہ لازم“ کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ فضا کی آلودگی کی وجہ سے پہلا روزہ نہ رکھا جاسکے تو بعد میں اس کی قضا دے دی جائے گی۔

(فعدة من ایام اخر) (قرآن)

”چھوٹے ہوئے روزوں کی تعداد دوسرے دنوں میں پوری کی جائے۔“

نیت:

کسی بھی عبادت کے لئے عزم و ارادے کا شامل ہونا نہایت ضروری ہے۔ عمل اگر نیت و ارادہ سے خالی ہے تو وہ محض ایک عمل ہے جو اعضاء و جوارح کی حرکت سے عمل میں آ گیا ہے۔ جناب باری تعالیٰ میں عبادت کہے جانے کا مستحق نہیں ہے۔

”إنما الأعمال بالنیات“ (بخاری و مسلم)

”اعمال کا اعتبار نیتوں سے ہوتا ہے۔“

محض سحری کر لینا، بھوکے رہ لینا اور افطار کر لینا روزہ نہیں ہے جب تک کہ یہ عمل عبادت کی نیت سے نہ ادا کیا جائے۔ بلکہ روزہ کی نیت کے لئے تو اتنا اہتمام ہے کہ نہ صرف نیت کی جائے گی بلکہ ہر دن کے روزہ کے لئے الگ سے نیت ضروری ہے۔

”من لم یبیت الصیام قبل الفجر فلا صیام له“ (خمسہ)

جس نے فجر سے پہلے روزہ رکھنے کی نیت نہیں کی اس کا روزہ درست نہیں۔

سحری:

سب سے پہلا عمل سحری کرنا ہے۔ سحری کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور خیر و برکت کا ذریعہ بنائی گئی ہے۔ یہ ایسا عمل ہے

جو روزہ جیسی پر مشقت عبادت کے لئے معاون بھی ہے اور ہمارے وغیروں کے درمیان وجہ امتیاز بھی۔
 ”تسحرُوا فان فی السحور بركة“ ”سحری کیا کرو۔ بے شک سحری میں برکت ہے۔“ (بخاری و مسلم)
 مسلم میں ہے: ”فصل ما بین صیامنا و صیام أهل الكتاب أكلة السحر۔“
 ”ہمارے اور اہل کتاب کے درمیان سحری کا کھانا وجہ امتیاز ہے۔“
 سحری میں تاخیر کو افضل قرار دیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تاخیر ہی تھا۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
 ”تسحرنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قمنا الى الصلاة (قال أتی: قلت : کم
 كان بین الأذان و السحور؟ قال: قدر خمسين آية۔“
 ”ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی پھر نماز کو چلے گئے۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا: اذان اور سحری
 میں کتنا فاصلہ تھا؟ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: اتنا جتنے میں پچاس آیتیں پڑھی جاسکیں۔“
افطار:

روزہ کا آخری عمل افطار ہے۔ آفتاب غروب ہوتے ہی افطار کر لینے کا حکم دیا گیا ہے اور تاخیر کو غیر پسندیدہ قرار دیا گیا
 ہے۔ اس لئے غیر ضروری احتیاط سوائے بے جا تکلف کے اور کچھ نہیں۔ مومن کی یہی شان ہے کہ شریعت کے ہر حکم پر اس کی
 منشا کے مطابق بلا تردد اور بغیر شک عمل کرے۔

”لا يزال الناس بخير ما عجلوا الفطر“ (بخاری و مسلم)

”لوگ برابر خیر میں رہیں گے جب تک افطار میں جلدی کرتے ہیں گے۔“

حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”أحب عبادة إلي أعجلهم فطرا“۔ (ترمذی)

”میرے نزدیک میرا محبوب بندہ وہ ہے جو افطار میں جلدی کرتا ہے۔“

ماہ رمضان میں روزہ نہ رکھنے کا حکم:

جیسا کہ عرض کیا گیا، حالت روزہ میں بہت سے ایسے امور ترک کرنے پڑتے ہیں جن کا عام حالات میں ترک کرنا
 سخت دشوار ہوتا ہے۔ پھر دوسری طرف انسان مختلف عوارض کا نشانہ بھی بنتا رہتا ہے۔

اس لئے شریعت نے اس پہلو کو بھی مد نظر رکھا ہے اور ایسی استثنائی حالتیں ذکر کی ہیں جن میں مکلف کے لئے یہ
 عبادت واجب نہیں رہ جاتی۔ بلکہ بعض حالات میں ممنوع تک ہو جاتی ہے۔

چنانچہ سفر کی مشقت کو دیکھتے ہوئے مسافر کے لئے مباح ہے کہ وہ روزہ چھوڑ دے اور بعد میں قضا کر لے۔

اسی طرح حاملہ، دودھ پلانے والی عورت اور مریض کو خطرہ ہو تو ان کے لئے بھی افطار مباح ہے۔

حائضہ اور نفاس والی عورت پر افطار واجب قرار دیا گیا ہے۔ اگر ایسی حالت میں روزہ رکھا گیا تو نہ صرف یہ کہ وہ ایک لغو کام ہوگا بلکہ ترک واجب کا گناہ بھی لازم آئے گا اور حکم الہی کی نافرمانی کا وبال بھی۔

قرآن کا ارشاد ہے: (فمن كان منكم مريضا او على سفر فعدة من ايام اخر) ”تم میں جو مریض ہو یا حالت سفر میں ہو تو (روزہ چھوڑ سکتا ہے اور چھوڑے ہوئے روزوں کی) تعداد دوسرے دنوں میں (پوری کر لی جائے گی۔“)

حدیث میں ارشاد ہوا:

”ہی رخصة من الله فمن أخذ بها فحسن و من أحب أن يصوم فلا جناح عليه۔“

”سفر میں روزہ چھوڑ دینا اللہ کی جانب سے ایک رخصت ہے، جس نے رخصت پر عمل کیا تو عمدہ بات ہے اور جو روزہ رکھنا پسند کرے تو اس کے لئے حرج نہیں۔“

دوسری حدیث ہے: ”أليس اذا حاضت لم تصل و لم تصم؟“ (بخاری و مسلم)

”کیا ایسا نہیں ہے کہ عورت جب حیض میں مبتلا ہوتی ہے تو نماز روزہ چھوڑ دینا پڑتا ہے؟“

بعض فطری ضرورتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو پورا کرنے کے لئے انسان کو خواہش کرنے کی حاجت نہیں ہوتی۔ بلکہ فطری طور پر تقاضا ہوتا ہے۔ جیسے کھانا پینا وغیرہ۔ اگر ان ضرورتوں سے انسان کو عارضی طور پر روک دیا جائے تو اس بات کا بہت زیادہ امکان ہے کہ فطری ضرورت کا تقاضا عقل پر غالب آجائے اور انسان پابندی کو بھلا بیٹھے جو اس پر عارضی طور سے عائد کی گئی تھی۔ روزہ کی حالت بھی کچھ اسی حالت سے مطابقت رکھتی ہے۔

شریعت نے اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے بلکہ بھول چوک کو کالعدم قرار دیا ہے۔ ”وذلك من فضل الله العظيم“۔

ارشاد نبوی ہے:

”من نسي وهو صائم فأكل أو شرب فليتم صومه فانما أطعمه الله و سقاه“۔ (بخاری و مسلم)

”جو حالت روزہ میں بھول بیٹھے اور کچھ کھاپی لے تو اسے اپنا روزہ پورا کرنا چاہئے۔ اسے اللہ نے کھلا پلا دیا ہے۔“

نفل روزے

ارشاد نبوی ہے:

”ان أول ما يحاسب الناس به يوم القيامة من أعمالهم الصلاة۔ قال: يقول ربنا جل وعز ملائكتہ وهو أعلم؛ انظروا في صلاة عبدی أتمها أم نقصها؟ فان كانت تامة كتبت له تامة، و ان كان انتقص منها شيئا قال: انظروا هل لعبدی من تطوع؟ فإن كان له تطوع قال: أتموا لعبدی فريضة من تطوعه۔ ثم توخذ الأعمال علی ذاکم۔“ (ابوداؤد)

”لوگ قیامت کے دن سب سے پہلے اپنے جس عمل کا حساب لئے جائیں گے، نماز ہے۔ فرمایا: ہمارا رب جل وعز اپنے فرشتوں سے فرمائے گا۔ جب کہ وہ زیادہ جان کار ہے: میرے بندے کی نماز میں نظر ڈالو، اسے پورا کیا ہے یا کمی کی ہے؟ اگر مکمل ہوگی تو مکمل لکھی جائے گی۔ اگر اس میں کچھ کمی کی ہوگی تو فرمائے گا: دیکھو میرے بندے کے لئے نفل ہے؟ اگر اس کے لئے نفل ہوگی تو فرمائے گا: میرے بندے کے لئے اس کے فرض کو اس کی نفل سے مکمل کر دو۔ پھر سارے اعمال کا اسی طرز پر حساب لیا جائے گا۔“

جن امور سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

۱- قصداً کچھ کھاپی لینا، چاہے کم ہو یا زیادہ۔

(وكلوا واشربوا حتى يتبين لكم الخيط الأبيض من الخيط الأسود من الفجر، ثم أتموا الصيام الى الليل) (قرآن)

”اور کھاتے اور پیتے رہو یہاں تک کہ فجر میں صبح کی سفید دھاری رات کی کالی دھاری سے (الگ ہو کر) تم کو صاف دکھائی دینے لگے۔ پھر روزے کو رات تک (لے جا کر) پورا کرو۔“

۲- جماع کرنا۔ ”جاء رجل فقال: هلكت يا رسول الله : قال: وما أهلك ؟ قال: وقعت على امرأتى فى رمضان.....الحديث۔“

”ایک آدمی آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول میں برباد ہو گیا۔ فرمایا: کس چیز نے تمہیں برباد کیا؟ کہا: رمضان میں میں اپنی بیوی سے مل بیٹھا۔ (بخاری مسلم)

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کفارہ کا حکم دیا۔ ایسے آدمی کے اوپر قضاء بھی ہے اور کفارہ بھی۔ اور کفارہ یہ ہے کہ گردن آزاد کرے۔ استطاعت نہ ہو تو دو مہینہ مسلسل روزہ رکھے۔ نہ رکھ سکتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

۳- دانستہ قے کرنا۔ ”من استقاء فعليه القضاء۔“ جو دانستہ قے کرے اس کے ذمہ قضا ہے۔ (نسخہ)

۴- حقہ بیڑی پان وغیرہ کا استعمال۔ اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا: یدع شہوته و طعامه من أجلی (مسلم) روزہ دار میری خاطر اپنی خواہش اور کھانا چھوڑ دیتا ہے۔

۵- قصداً ناک میں اس طرح پانی چڑھانا کہ حلق سے اتر جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”أسبغ الوضوء و خلل بين الأصابع وبالغ فى الاستنشاق الا أن تكون صائماً۔“ (أربع وصحیح ابن خزیمہ) وضو مکمل طور پر کیا کرو، انگلیوں کے درمیان خلال کرو۔ ناک میں پانی چڑھاؤ تو مبالغہ سے کام لو الا یہ کہ روزے سے ہو۔

وصلى الله على محمد و آله و صحبه أجمعين والحمد لله رب العالمين۔

روزے سے متعلق خواتین کے مخصوص مسائل

تحریر: ڈاکٹر صالح الفوزان

ترجمہ: ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری رحمہ اللہ

ماہ رمضان کے روزے ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہیں، روزہ کو اسلام میں ایک بنیادی ستون کی حیثیت حاصل ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾ البقرة: ۱۸۳۔

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پر ہیبرگار بن جاؤ۔ آیت میں (كُتِبَ) کے معنی ہیں فرض کیا گیا، جب لڑکی سن تکلیف (بلوغت کی عمر) کو پہنچ جائے بایں طور کہ علامات بلوغت میں سے کوئی ایک علامت ظاہر ہو جائے، انہی میں سے حیض کا آنا بھی ایک علامت ہے، تو ایسی لڑکی کے حق میں روزہ واجب ہو جاتا ہے، بعض بچیوں کو نو سال کی عمر میں ہی حیض شروع ہو جاتا ہے لیکن اسے معلوم نہیں ہوتا کہ حیض شروع ہو جانے کے بعد روزہ اس پر واجب ہو جاتا ہے، چنانچہ وہ اپنے آپ کو کم عمر سمجھ کر روزہ نہیں رکھتی اور نہ ہی اس کے اہل خاندان اسے روزہ رکھنے کا حکم دیتے ہیں، حالانکہ یہ عمل اسلام کے ایک اہم اور عظیم رکن کو ترک کر کے زبردست تساہلی اور سستی اختیار کرنے کے مترادف ہے، اگر کسی عورت سے اس قسم کی کوتاہی کا بچپن میں صدور ہوا ہو تو اس پر ان تمام روزوں کی قضاء ضروری ہے جنہیں اس نے ابتداءً حیض میں ترک کیا تھا، خواہ اس پر ایک لمبی مدت گزر گئی ہو، کیونکہ یہ تمام روزے اس کے ذمہ باقی ہیں۔ (۱)

☆ کن لوگوں پر روزہ رکھنا واجب ہے؟

ماہ رمضان کے شروع ہو جانے پر ہر بالغ مسلمان مرد اور عورت پر جو حالت صحت میں ہو اور مقیم ہو (یعنی حالت سفر میں نہ ہو) رمضان کے روزے فرض ہو جاتے ہیں، اگر کوئی مرد یا عورت اس مہینہ میں بیمار ہو یا مسافر ہو تو وہ افطار کر سکتا ہے، یعنی اس کو روزہ نہ رکھنے کی چھوٹ حاصل ہے، البتہ (شفایابی یا سفر کی حالت ختم ہونے کے بعد) رمضان کے علاوہ دوسرے ایام میں چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء کرے گا، ارشاد ربانی ہے: ﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ﴾ البقرة: ۱۸۵۔

تم میں سے جو شخص اس مہینہ کو پائے وہ روزہ رکھے، ہاں جو بیمار ہو یا مسافر ہو اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہئے۔

(۱) روزوں کی قضاء کے ساتھ ہر دن کے بدلے نصف صاع گیہوں مسا کین کو دینا ضروری ہے۔

اسی طرح ایسا عمر دراز مرد یا ایسی عمر دراز خاتون جس کو روزے کی استطاعت نہ ہو، یا ایسا دائمی مریض جس کے مرض کے زائل ہونے اور اس کی شفایابی کی توقع نہ ہو خواہ مرد ہو یا عورت وہ بھی افطار کر سکتے ہیں (یعنی روزہ چھوڑ سکتے ہیں) ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو ملک کی عام غذا سے نصف صاع دینا ضروری ہوگا، دلیل فرمان الہی ہے: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامَ مَسْكِينٍ﴾ البقرة: ۱۸۴۔

اور جو لوگ اس کی بمشقت طاقت رکھنے والے ہیں وہ فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا دیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ آیت ایسے عمر دراز بوڑھے شخص کے بارے میں ہے جس کی شفایابی کی امید نہیں ہوتی (بخاری)۔

اور ایسا مریض جس کی بیماری سے شفایابی کی توقع نہ ہو وہ بھی عمر دراز بوڑھے شخص کے حکم میں ہوگا، عدم استطاعت کی وجہ سے ان دونوں پر روزہ کی قضاء نہیں ہے۔ آیت میں (یطیقونہ) کے معنی ہیں: نہایت مشقت کے ساتھ برداشت کرنا۔

خواتین کو مخصوص طور پر چند اعذار کی وجہ سے ماہ رمضان میں افطار کی اجازت ہے لیکن عذر کی وجہ سے ترک کئے ہوئے روزوں کی قضاء لازم ہے، وہ اعذار جن کی وجہ سے خواتین روزہ ترک کر سکتی ہیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱- حیض و نفاس: ان دونوں حالتوں میں عورتوں کے لئے روزہ رکھنا حرام ہے، لیکن دیگر ایام میں چھوڑے ہوئے روزوں کی قضاء ان پر واجب ہے، دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث ہے جو صحیحین میں مروی ہے جس میں آپ فرماتی ہیں: (كنا نؤمر بقضاء الصوم ولا نؤمر بقضاء الصلاة)۔

ہمیں روزوں کی قضاء کا حکم دیا جاتا تھا، نماز کی قضاء کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔

آپ (رضی اللہ عنہا) نے یہ بات ایک عورت کے اس استفسار پر فرمائی تھی کہ کیا وجہ ہے کہ حائضہ عورت روزے کی قضاء کرے گی اور نماز کی قضاء نہیں کرے گی، تو آپ نے مذکورہ جواب کے ذریعہ یہ وضاحت فرمادی کہ یہ امر تو قیفی ہے جس میں عقل و قیاس کا دخل نہیں ہے، اس میں شریعت کے حکم کی اتباع کی جائے گی۔

☆ حالت حیض میں روزے کی ممانعت کا راز:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مجموع الفتاویٰ (۲۵۱/۱۵) میں لکھتے ہیں: ”حیض کی وجہ سے آنے والے خون میں خون کا نکلتا پایا جاتا ہے، جبکہ حائضہ کے لئے ممکن ہے کہ حیض کے ان اوقات کے علاوہ دیگر اوقات میں روزہ رکھے جن میں خون کا نکلتا نہیں پایا جاتا ہے، لہذا ایسی صورت میں اس کا روزہ رکھنا معتدل ہوگا کیونکہ اس میں جسم کو تقویت پہنچانے والے بلکہ جسم کے اصل مادہ کا نکلتا نہیں پایا جاتا ہے، حالت حیض میں روزہ رکھنے سے وجوبی طور پر لازم آئے گا کہ جسم کا اصل مادہ بھی خارج

ہو جو اس کے جسم کی کمی اور خود اس کے ضعف کا سبب بنتا ہے اور ساتھ ہی روزے کا حد اعتدال سے بھی خروج لازم آئے گا۔ خواتین کو اسی بناء پر اوقات حیض کے علاوہ دیگر اوقات میں روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔
حمل و رضاعت:

حالت حمل اور حالت رضاعت (یعنی دودھ پلانے کی حالت) میں روزہ رکھنے سے خود عورت کو یا بچہ کو یا ایک ساتھ دونوں کو نقصان اور ضرر لاحق ہو سکتا ہے، لہذا عورت ان دونوں حالتوں میں افطار کر سکتی ہے (یعنی روزہ چھوڑ سکتی ہے) اگر ضرر (نقصان) جس کے پیش نظر اس نے روزہ ترک کیا ہے محض بچے کو لاحق تھا تو چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء کرے گی اور ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے گی، اور اگر ضرر عورت کو بھی لاحق تھا تو اس پر صرف قضاء ضروری ہے کیونکہ آیت: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يَطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامِ مَسْكِينٍ﴾ البقرة: ۱۸۴۔

”اور جو لوگ اس کی بمشقت طاقت رکھنے والے ہیں وہ فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا دیں“ کے عموم میں حاملہ اور مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) بھی داخل ہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر (۳۷۹/۱) میں فرماتے ہیں: ”مذکورہ آیت کے مفہوم میں حاملہ اور مرضعہ بھی شامل مانی جائیں گی بشرطیکہ انہیں اپنے اور اپنے بچوں پر خوف لاحق ہو“۔
 شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اگر حاملہ اپنے جنین (بچہ) پر خوف محسوس کرتی ہو تو افطار کرے گی، اور ہر دن کے بدلے ایک دن روزہ رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک مسکین کو ایک رطل روٹی کھلائے گی“۔ (مجموع الفتاویٰ ۲۵/۳۱۸)

متنبیہ:

۱- مستحاضہ (استحاضہ والی عورت) جس کو ایسا خون آ رہا ہو جسے حیض کا خون نہیں کہا جاسکتا جیسا کہ سابقہ سطور میں بیان کیا جا چکا ہے، اس پر روزہ فرض ہے، اس کے لئے افطار (روزہ کا ترک کرنا) جائز نہیں ہے۔
 شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ حائضہ عورت کے افطار کا حکم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”برخلاف مستحاضہ کے، اس لئے کہ استحاضہ کا خون تمام اوقات میں آتا ہے، اس کا کوئی مخصوص و متعین وقت نہیں ہے کہ اس کے علاوہ دیگر اوقات میں روزہ رکھنے کا اسے حکم دیا جائے، اس سے بچنا بھی ناممکنات میں سے ہے جس طرح از خود قے آجانا، زخم اور پھوڑوں کی وجہ سے خون کا نکلنا اور احتلام وغیرہ ہیں، ان کا کوئی مخصوص وقت نہیں ہوتا کہ ان سے احتراز کیا جائے، لہذا یہ تمام امور روزہ کے منافی نہیں قرار دیئے جائیں گے جس طرح حیض کے خون کو قرار دیا گیا ہے“۔ (۲۵۱/۲۵)

۲- حائضہ، حاملہ اور مرضعہ کو چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء دوسرے رمضان کے آنے تک واجبی طور پر کر لینی چاہئے، قضاء میں جتنی جلد بازی سے کام لیا جائے اتنا ہی زیادہ بہتر ہے، اگر اگلے رمضان شروع ہونے میں اتنے ہی دن باقی

رہ گئے ہوں جتنے دن اس نے روزہ ترک کیا ہے تو پچھلے رمضان کے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء واجب ہو جاتی ہے، اسے لازمی طور پر چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء کر لینی چاہئے تاکہ ایسا نہ ہو کہ دوسرا رمضان شروع ہو جائے اور اس پر پچھلے رمضان کے روزوں کی قضاء باقی ہو، اور اگر ایسا ہو گیا کہ پچھلے رمضان کے روزوں کی قضاء کے بغیر دوسرا رمضان شروع ہو گیا اور تاخیر کا کوئی عذر معقول نہ ہو تو چھوٹے روزوں کی قضاء کے ساتھ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا بھی کھلانا ہوگا اور اگر کسی عذر کی وجہ سے تاخیر ہوئی ہو تو صرف روزوں کی قضاء کی جائے گی، اسی طرح ان تمام لوگوں کا مذکورہ تفصیل کے مطابق ہی معاملہ ہوگا جن پر بیماری یا سفر کی وجہ سے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء ہے کیونکہ وہ بھی انہی عورتوں کے حکم میں ہوں گے جنہوں نے حیض کی وجہ سے روزہ ترک کیا تھا۔

۳- خاوند کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر کسی عورت کے لئے نفلی روزہ رکھنا جائز نہیں ہے، دلیل امام بخاری و امام مسلم رحمہما اللہ اور دیگر محدثین کی روایت کردہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: (لا یحل لامرأة أن تصوم وزوجها شاهد الا باذنه)

کسی عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ روزہ رکھے اور اس کا شوہر موجود ہو مگر اس کی اجازت سے۔

امام احمد اور امام ابو داؤد رحمہما اللہ کے یہاں بعض روایات میں (الا رمضان) کا اضافہ ہے، یعنی رمضان کے روزوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے، ان کے لئے خاوند کی اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر شوہر نے نفلی روزوں کی اجازت دے دی ہو یا وہ موجود نہ ہو یا کسی کا شوہر ہی نہ ہو تو ایسی عورت کے لئے نفلی روزہ رکھنا مستحب ہے۔ خصوصاً جن ایام میں روزہ رکھنے کی فضیلت وارد ہے، مثال کے طور پر دو شنبہ و جمعرات کے دن، ہر ماہ میں تین دن (ایام بیض) شش عیدی روزے، ذی الحجہ کے دس دن، عرفہ کا دن، عاشوراء کا دن ایک دن ماقبل یا ایک دن مابعد کے ساتھ۔ ان تمام ایام میں روزے کی بڑی فضیلت ہے، البتہ رمضان کے روزوں کی قضاء اگر اس پر ہے تو پہلے روزوں کی قضاء کرے گی، قضاء کے بغیر نفلی روزے رکھنا مناسب نہیں ہے، واللہ اعلم۔

۴- حائضہ اگر رمضان میں دن کے وقت حیض سے پاک ہوئی ہے تو اسے دن کے بقیہ حصہ کو کچھ کھائے پئے بغیر گزارنا چاہئے، اور حیض کی وجہ سے چھوٹے ہوئے روزوں کے ساتھ اس دن کی بھی قضا کرے گی جس دن اس نے طہارت حاصل کی تھی، اس دن کے بقیہ حصہ کو کچھ کھائے پئے بغیر گزارنا رمضان کے ادب و احترام میں واجب ہے۔

ماہ رمضان کی فضیلت اور اس ماہ میں تلاوت قرآن کا ثواب

شیخ محمد بن عبداللہ السبیلی

سابق امام و خطیب مسجد حرام، مکہ مکرمہ

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو مسلسل فضل و احسان کرنے والا ہے، اس نے ہمیں رمضان کا مہینہ دے کر احسان عظیم فرمایا ہے اور اس کے روزہ کو اسلام کا ایک رکن قرار دیا ہے، ساتھ ہی اس مہینہ میں اپنے بندوں کے لئے بہت ہی زیادہ انعام و اکرام کا وعدہ کیا ہے، اس رب پاک کی مسلسل اور بے پایاں نعمتوں پر میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں، اور شہادت دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اے اللہ! تو اپنے بندہ و رسول محمد ﷺ پر اور آپ کے آل و اصحاب پر درود و سلام نازل فرما۔ اما بعد!

اللہ کے بندو! اپنے تمام حالات و اوقات میں اللہ سے ڈرو اور جملہ حرکات و سکنات میں اس کے مراقب و نگران ہونے کا احساس رکھو اور یہ جان لو کہ اس نے بعض اوقات اور بعض ایام کو دیگر اوقات و ایام پر شرف و فضیلت بخشی ہے اور ان کو اپنے مومن بندوں کے لئے نہایت گراں قدر سرمایہ قرار دیا ہے۔ انہی ایام میں سے رمضان المبارک کا مہینہ بھی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بے شمار فضیلتوں سے نوازا ہے، چنانچہ اسی میں قرآن کریم اتارا، مخلوق پر اس کے روزے فرض قرار دیئے اور اسے عفو درگزر اور بخشش و مغفرت کا بہت بڑا موقعہ بنایا، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ”من صام رمضان إيماناً و احتساباً غفر له له ما تقدم من ذنبه“ (۱)

جس نے ایمان کے ساتھ اور طلب ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اس کے سارے گزشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

روزہ ایک محکم فریضہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے گزشتہ امتوں کی طرح اس امت پر بھی مقرر کیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ بندے اپنی خیر و مصلحت حاصل کریں، فضائل و محاسن سے اپنے آپ کو سنواریں اور اپنے نفس کو ہر طرح کی رذالتوں اور بری خصلتوں سے پاک کر کے اس کی تہذیب و تربیت کریں۔

روزہ کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے ایک مسلمان صبر و ضبط، محنت و مشقت اور ایثار و تعاون کا خوگر ہو جاتا ہے، حیوانی اوصاف سے بالاتر ہو کر اس کے اندر ملکوتی صفات پیدا ہو جاتے ہیں اور رب العالمین کی اطاعت، اس کے احکام و فرامین کی بجا آوری اس کے بہترین انعام و اکرام کی امید میں وہ دنیاوی لذات و خواہشات سے دور رہتا ہے۔

روزہ کے ذریعہ درحقیقت بندہ مسلم کا ایمان راسخ ہوتا ہے، نفس تقویٰ کے ذریعہ پاک ہو جاتا ہے اور صبر و ضبط کی قدرت

(۱) سنن نسائی، کتاب الصیام، باب ثواب من قام رمضان وصامہ ایماناً و احتساباً (۲۰۸۲ تا ۲۰۸۵)

بڑھ جاتی ہے۔ اس کا ایمان اسے فرمانِ الہی کی تعمیل اور اس کے وعدہ رحمت کی تصدیق میں روزہ رکھنے پر آمادہ کرتا ہے، تقویٰ اسے سب و شتم، طعن و تشنیع اور تمام منہیات و محرمات کے ارتکاب سے باز رکھتا ہے، اور صبر اسے حرام لذتوں اور ناجائز خواہشات سے روکتا اور طاعتِ الہی میں مشقتیں برداشت کرنے پر ابھارتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اندر اپنے ان بندوں کو جو اس کے احکام کی تابعداری اور اس کی طاعت و بندگی کی طرف سبقت کرتے ہیں، مخاطب کر کے فرمایا:

﴿يا أيها الذين آمنوا كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم تتقون﴾
(البقرة: ۱۸۳)

اے مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پر ہیزار گار بنو۔
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے روزہ دار بندوں کو جہاں ”اہل ایمان“ کے نام سے مخاطب کیا ہے، وہیں یہ بھی بتایا ہے کہ روزہ تقویٰ و پرہیزگاری کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ماہ رمضان کو صبر کا مہینہ قرار دیا ہے، چنانچہ اس مہینہ میں صبر واضح ترین صورت میں نمایاں ہوتا ہے، اور چونکہ رمضان کے روزے تقویٰ و پرہیزگاری کا سبب ہیں اور اہل تقویٰ کو اللہ تعالیٰ نے بشارت دی ہے:

﴿إنما يتقبل الله من المتقين﴾ المائدة: ۲۷

اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں ہی سے قبول فرمایا کرتا ہے۔

اس لئے ایک مومن کو ماہ رمضان کی آمد سے خوشی ہوتی ہے، مزید برآں اس وجہ سے بھی اس کے دل کو اس ماہ سے انشراح ہوتا ہے کہ یہ صبر کا مہینہ ہے، اس میں وہ صبر کی برکتیں حاصل کرتا اور صبر کی صفت سے متصف ہو کر ان بندگانِ الہی کے زمرہ میں شامل ہو جاتا ہے جن کے بارے میں رب العالمین کا ارشاد ہے:

﴿إنما يوفى الصابرون أجرهم بغير حساب﴾ الزمر: ۱۰

جو صبر کرنے والے ہیں ان کو بے شمار ثواب ملے گا۔

اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ماہ رمضان کی آمد سے انتہائی خوشی ہوتی، آپ انشراح صدر اور طمانینت نفس کے ساتھ اسے خوش آمدید کہتے، صحابہ کرام کو بھی اس کی آمد کی بشارت دیتے، اس کے حقوق کی کما حقہ ادائیگی پر ابھارتے اور اس کی خصوصیات و فضائل سے آگاہ فرماتے تھے، تاکہ اس مقدس مہینہ میں ان کے عزائم میں مزید چٹنگی پیدا ہو، ارادے بلند ہوں اور حسنات کی طرف وہ سبقت کریں۔ چنانچہ بیہقی نے شعب الایمان کے اندر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے شعبان کے آخری دن ہمیں خطبہ دیا تو فرمایا کہ لوگو! ایک عظیم اور مبارک مہینہ تم پر ساریا فگن ہے، اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس ماہ کے روزے فرض فرمادیئے ہیں اور قیام اللیل نفل رکھا

ہے، جو اس مہینہ میں کوئی نفل کام کرے گا اسے دیگر مہینوں کے ایک فرض کی ادائیگی کا ثواب ملے گا، یہ مہینہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے، یہ مہینہ غمخواری کا ہے، اس مہینہ میں مومن کی روزی بڑھادی جاتی ہے، جس نے اس مہینہ میں کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرایا تو یہ اس کے گناہوں کی بخشش اور جہنم سے نجات کا سبب بن جاتا ہے، مزید برآں روزہ افطار کرنے والے کے برابر اسے ثواب بھی ملتا ہے، لیکن روزہ افطار کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم میں سے ہر شخص کو تو ایسی چیز میسر نہیں جس سے وہ روزہ دار کو افطار کرائے، آپ نے فرمایا کہ یہ ثواب تو اس شخص کو اللہ تعالیٰ دیتا ہے جس نے گھونٹ بھر دودھ یا ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی سے کسی کو افطار کرایا ہو، اور جس نے کسی روزہ دار کو کھلا کر آسودہ کر دیا تو اس شخص کو اللہ تبارک و تعالیٰ میرے حوض کوثر سے ایسا جام پلائے گا کہ تا دخول جنت اسے پیاس محسوس نہ ہوگی، یہ مہینہ ایسا ہے جس کے ابتدائی ایام رحمت کے ہیں اور درمیانی مغفرت کے اور آخری ایام جہنم سے آزادی و نجات کے، اور جو شخص اس مہینہ میں اپنے ماتحتوں پر نرمی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا اور جہنم سے نجات دیدے گا۔

رمضان المبارک کے مہینہ کی یہ چند خصوصیات ہیں جو رسول امین ﷺ نے اس حدیث کے اندر بیان فرمائی ہیں تاکہ ہم اس ماہ مبارک کی قدر و منزلت پہنچانیں اور اللہ رب العالمین سے اجر و ثواب حاصل کریں۔

لیکن افسوس کہ بہت سے مسلمان اس مبارک مہینہ کا احترام نہیں کرتے، اس کی قدر و منزلت نہیں پہچانتے، سارا دن سونے، آرام کرنے اور ذکر الہی اور تلاوت قرآن سے غفلت میں گزار دیتے ہیں، راتیں شہوات و نفسیات، قمار بازی، لہو و لعب نیز طاعت الہی سے روگردانی کی نذر ہو جاتی ہے۔

مسلمانو! ذرا سوچو کیا اللہ کی تدبیر اور اس کی سزا و عقاب سے ہم مامون ہیں؟ کیا اس فانی دنیا کے اندر ہم ہمیشہ زندہ رہیں گے؟ موت روزانہ نہ جانے کتنی جانوں کو اپنا لقمہ بنا رہی ہے اور ہر ہلچہ ہمیں جزا و سزا کے گھر سے قریب کرتا جا رہا ہے، اب تک کتنے لوگ اپنے اپنے بالا خانوں اور پریش سامان زندگی سے رخت سفر باندھ کر راہی عدم ہو چکے ہیں، تنگ و تاریک اور وحشت ناک قبران کا ٹھکانہ بن چکی ہے، جہاں سوائے عمل صالح کے کوئی مونس و غم خوار ہے نہ دنیا کا جمع کردہ مال کچھ کام آسکتا ہے۔ ان مرنے والوں میں کتنے ایسے ہوں گے جنہوں نے دنیا کے اندر کتنا حرام کھایا ہوگا، بکثرت گناہ کئے ہوں گے، اچھے اچھے واعظوں کی نصیحت و موعظت ان کے لئے بے اثر اور صدا بصر اثابت ہوئی ہوگی، فرمان باری ہے:

﴿ذَرَهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهَمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ﴾ الحج: ۳

آپ انہیں کھاتا، نفع اٹھاتا اور (جوٹھی) امیدوں میں مشغول ہوتا چھوڑ دیجئے، یہ خود بھی جان لیں گے۔

یا اللہ! تو ہماری غفلت دور کر، آخرت کے لئے تیاری کی توفیق دے، قبر کی تنہائی میں ہم پر رحم فرما، قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ و مامون رکھ اور ہمارے گناہوں کو معاف کر دے۔

مولیٰ! تو بہت زیادہ معاف کرنے والا ہے، عفو و درگزر پسند کرتا ہے، اپنی رحمت سے ہماری کوتاہیاں معاف کر اور ہم پر

بارانِ رحمت نازل فرما۔

﴿شهر رمضان الذي أنزل فيه القرآن هدى للناس و بينات من الهدى والفرقان فمن شهد منكم الشهر فليصمه ومن كان مريضا أو على سفر فعدة من أيام أخر يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر ولتكملوا العدة ولتكبروا الله على ما هداكم ولعلكم تشكرون﴾ البقرة: ۱۸۵

رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اترا، راہ بتلاتا ہے لوگوں کو، اور اس میں کھلی کھلی دلیلیں ہیں ہدایت کی اور حق کو ناحق سے پہچاننے کی۔ پھر جو کوئی تم میں سے یہ مہینہ پائے وہ اس میں روزے رکھے، اور جو کوئی بیمار یا مسافر ہو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے، اللہ تم پر آسانی کرنا چاہتا ہے، سختی نہیں کرنا چاہتا، اور یہ چاہتا ہے کہ تم رمضان کی گنتی پوری کرو اور اللہ کی بڑائی کرو اس احسان پر کہ تم کو سیدھا راستہ چلایا اور تاکہ تم اس کا شکر کرو۔

تلاوت قرآن کی فضیلت

مسلمانو! قرآن کریم کی تلاوت بالخصوص ماہ رمضان میں ایک بڑی عبادت اور افضل ترین عمل ہے، کیونکہ اس مہینہ کے کچھ امتیازات ہیں جو دیگر مہینوں کو حاصل نہیں، رسول اکرم ﷺ دیگر مہینوں کی بہ نسبت ماہ رمضان میں قرآن کریم کی زیادہ تلاوت فرماتے، جبرئیل امین علیہ السلام ہر سال اس مہینہ میں آپ کو قرآن کا دور کراتے اور جب آپ کی زندگی کا آخری سال تھا تو انہوں نے دوسرے آپ پر قرآن پیش کیا، رسول اللہ ﷺ خود عمل کرنے کے ساتھ ہی صحابہ کرام کو بھی تلاوت کی ترغیب دیتے اور اس کے فضائل و محاسن بیان فرماتے، چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”من قرأ حرفا من كتاب الله فله به حسنة، والحسنة بعشر أمثالها، لا أقول الم حرف، ولكن ألف حرف، ولام حرف، وميم حرف۔ (۱)

جس نے کتاب اللہ کے ایک حرف کی تلاوت کی اس کے بدلہ اسے ایک نیکی ملے گی اور وہ نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوگی، میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”ما اجتمع قوم في بيت من بيوت الله يتلون القرآن ويتدارسونه فيما بينهم إلا نزلت عليهم السكينة، و غشيتهم الرحمة، وحفتهم الملائكة، و ذكرهم الله فيمن عنده“ (۲)

(۱) جامع ترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ما جاء في من قرأ حرفا من القرآن (۳۰۷۵) نیز دیکھیے: سنن داری، کتاب فضائل القرآن، باب فضل من قرأ القرآن (۳۱۹۰)

(۲) سیوطی نے اشارہ کیا ہے کہ ابوداؤد نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے اور مناوی نے ذکر کیا ہے کہ مذکورہ حدیث انہی الفاظ کے ساتھ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ملاحظہ ہو: فیض القدر ۵/۲۰۹، نیز دیکھیے: خطبہ ذکر الہی کی فضیلت۔

جو بھی جماعت اللہ کے کسی گھر میں کتاب اللہ کی تلاوت کرنے اور باہم اسے پڑھنے کے لئے اکٹھا ہوتی ہے تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے، رحمت الہی انہیں ڈھانک لیتی ہے، فرشتے سایہ فگن ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے مقرب فرشتوں کے درمیان ان کا تذکرہ فرماتا ہے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

”يقول الرب تبارك و تعالیٰ: من شغله القرآن عن ذكرى و مسألتي أعطيته أفضل ما أعطى السائلين، و فضل كلام الله على سائر الكلام كفضل الله على خلقه“۔ (۱)

رب تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو قرآن نے میرے ذکر سے اور مجھ سے سوال کرنے سے مشغول رکھا اسے میں وہ افضل ترین صلہ دوں گا جو سوال کرنے والوں کو دیتا ہوں، اور سارے کلام پر اللہ کے کلام کی فضیلت ویسی ہی ہے جیسی خود اللہ کی فضیلت اس کی مخلوق پر ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”مثل المؤمن الذي يقرأ القرآن كمثل الأترجة، ريحها طيب و طعمها طيب، و مثل المؤمن الذي لا يقرأ القرآن كمثل التمرة، لا ريح لها و طعمها حلو، و مثل المنافق الذي يقرأ القرآن كمثل الريحانة، ريحها طيب و طعمها مر، و مثل المنافق الذي لا يقرأ القرآن كمثل الحنظلة، ليس لها ريح و طعمها مر“۔ (۲)

وہ مومن جو قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے اس کی مثال نارنگی کی ہے کہ اس کی بو بھی اچھی ہے اور ذائقہ بھی عمدہ ہے، اور وہ مومن جو قرآن کی تلاوت نہیں کرتا اس کی مثال کھجور کی ہے کہ اس میں کوئی بو نہیں البتہ ذائقہ شیریں ہے، اور اس منافق کی مثال جو قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے اس پھول کی طرح ہے جس کی بو تو اچھی ہے مگر ذائقہ کڑوا ہے، اور وہ منافق جو قرآن کی تلاوت نہیں کرتا اس کی مثال اندرائن کے پھل کی سی ہے جس میں کوئی خوشبو نہیں اور ذائقہ کڑوا ہے۔

نیز ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”الماهر بالقرآن مع السفارة الكرام البررة، يعنى ملائكة الرحمن، والذي يقرأ القرآن و ينتفع فيه وهو عليه شاق فله اجران“ (۳)

قرآن کریم کی تلاوت میں مہارت رکھنے والا بزرگوں اور نیکوکار لکھنے والوں یعنی اللہ کے فرشتوں کے ساتھ ہوگا، اور جو

(۳) جامع ترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ۲۵ (۳۰۹۴) و سنن دارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فضل کلام اللہ علی سائر الکلام (۳۲۳۳)

(۱) صحیح بخاری، کتاب الاطعمه، باب ذکر الطعام (۵۴۲۷) و صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضیلتہ حافظ القرآن (۷۹۷)

(۲) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل الماہر بالقرآن (۷۹۸) و صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب ۵۲، ترجمۃ الباب۔

شخص ہکا کر قرآن کی تلاوت کرتا ہے اور اس میں اسے پریشانی ہوتی ہے اس کے لئے دوہرا ثواب ہے۔ اللہ کے بندو! قرآن کریم کے بے شمار فضائل ہیں جن میں سے یہ چند فضیلتیں ذکر کی گئیں، لہذا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن کریم کی بکثرت تلاوت کرے، اس کے معانی و مفاہیم کو سمجھے اور ان پر عمل کرے، قرآن کے احکامات بجلائے، منہیات سے دور رہے اور اس کے اخلاق و آداب سے اپنے آپ کو سنوارے، نبی کریم ﷺ کے اخلاق یہی قرآن تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو 'خلق عظیم' سے متصف فرمایا اور قرآن کے بارے میں اس کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّذِينَ هِيَ أَقْوَمُ﴾ الاسراء: ۹

یہ قرآن وہ رستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے۔

یعنی قرآن اس رستہ کی رہنمائی کرتا ہے جو توحید، عقائد اور عبادات وغیرہ کے معاملہ میں سب سے پختہ اور صحیح ہے۔ چنانچہ قرآن کریم توحید کا اثبات کرتا ہے، شرک سے روکتا ہے، تعلق باللہ کی طرف بلاتا اور کسی غیر اللہ سے لو لگانے سے منع کرتا ہے، کیونکہ ایک اللہ ہی کی ذات اسی ہے جو نفع و نقصان کی مالک ہے، اس کے سوا دنیا کا خواہ کوئی بھی شخص ہو خود اپنے لئے کسی نفع و نقصان کی طاقت نہیں رکھتا، چہ جائیکہ دوسروں کو کچھ نفع پہنچائے یا ان سے کوئی شر دور کرے، قرآن کریم کا اعلان ہے:

﴿ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ - إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دَعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بَشْرِكُمْ وَلَا يُنْبِتُكُمْ مِثْلَ خَبِيرٍ﴾ الفاطر: ۱۳-۱۴

یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے، اسی کی بادشاہی ہے، اور جن لوگوں کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کچھوڑ کر گھٹلی کے چھلکے کے برابر بھی کسی چیز کے مالک نہیں، اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں اور اگر سن بھی لیں تو تمہاری بات کا جواب نہ دے سکیں اور وہ قیامت کے روز تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے، اور اللہ باخبر کی طرح تمہیں کوئی خبر نہیں دے گا۔

لہذا دعا، التجا، استعانت، استغاثہ، خوف اور امید و بیم یہ سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی کی جاسکتی ہیں، اس کے علاوہ کسی اور سے جائز نہیں، کیونکہ عبادت و استعانت اسی کا حق ہے، جیسا کہ ہم اقرار کرتے ہیں:

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ الفاتحہ: ۵

اے پروردگار! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

عبادت ہی وہ چیز ہے جو دلوں کو جلا بخشتی ہے، نفس کی تہذیب و تربیت کرتی ہے، ایمان کو بڑھاتی ہے اور روح توحید کو مضبوط بناتی ہے، ارشاد باری ہے:

﴿وَمَا أَمْرُو إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ

دِين الْقِيَمَةِ﴾ البیتہ: ۵

ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں کیسویہ ہو کر، اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں، اور یہی سچا دین ہے۔ برادران اسلام! قرآن کریم مکارم اخلاق کی طرف بلاتا ہے اور والدین کے ساتھ بھلائی صلہ رحمی، کمزوروں اور مسکینوں پر شفقت و نرمی اور اللہ کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تعلیم دیتا ہے، یہی وہ اخلاق ہیں جن کے ذریعہ ایک انسان دنیا و آخرت کی سعادت سے بہرہ مند ہوتا ہے، معاشرے کی اصلاح ہوتی ہے اور اس کا امن و سکون برقرار رہتا ہے۔ اللہ کے بندو! چونکہ حصول سعادت، اصلاح حال، انشراح صدر اور سکون قلب ذکر الہی کے بغیر مکمل نہیں ہوتا، جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے: ﴿أَلَا بذكر الله تطمئن القلوب﴾ (الرعد: ۲۸) سن لو! اللہ کے ذکر سے ہی دل اطمینان پاتے ہیں۔ لہذا خوشنودی مولیٰ کے لئے ہمہ وقت کثرت کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرو اور اس کے پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے نیز روزوں کی ادائیگی اور شب بیداری کے لئے ان مبارک ایام کو غنیمت جانو، کیونکہ تم ان بابرکت ایام سے گزر رہے ہو جن میں نیکیاں بڑھادی جاتی ہیں اور گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، بالخصوص اس مقدس سرزمین اور متبرک مقامات میں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مزید خصوصیات عطا کی ہیں، چنانچہ مسجد حرام کی ایک نماز کا ثواب دیگر مسجدوں کی ایک لاکھ نماز کے برابر ہے، اور اسی طرح ہر عمل صالح کا ثواب یہاں پر زیادہ ہے۔

لہذا کثرت سے نماز پڑھ کر اور قرآن مجید کی تلاوت اور صدقہ و احسان اور طواف وغیرہ کے ذریعہ ان بابرکت اوقات سے فائدہ اٹھاؤ، گناہ کے کاموں سے بچو اور خاص طور سے اس مہینہ میں اور اس مقدس سرزمین میں انتہائی محتاط رہو جہاں گناہ کی سزا بھی بڑھ جاتی ہے، لغو، جھوٹ، اور لوگوں کی آبروریزی سے اپنے روزے محفوظ رکھو۔ اللہ کے بندو! وہ شخص جس کا روزہ اسے سب و شتم، گالی گلوچ، غیبت، چغلی خوری، حرام خوری، دھوکہ، فریب، کذب، بہتان، سود خوری اور ناپ تول میں کمی بیشی کرنے سے باز نہ رکھے اس کا روزہ کیسے قابل قبول ہوگا؟ مسلمانو! اللہ کا خوف کھاؤ، کیونکہ تمہارے سامنے ایک بہت بڑا دن آنے والا ہے، جس میں نہایت ہی باریک اور مشکل ترین حساب کے لئے علیم و عادل حاکم کے سامنے پیش کئے جاؤ گے، اس دن مشفق باپ بھی کنارہ کشی اختیار کر لے گا اور مخلص دوست بھی تم سے بیزار ہو جائے گا، ارشاد الہی ہے:

﴿يَوْم لا يَنْفَع مال ولا بنون۔ إلا من أتى الله بقلب سليم﴾ الشعراء: ۸۸-۸۹

جس دن نہ مال ہی کچھ فائدے دے سکے گا اور نہ بیٹے، ہاں جو شخص اللہ کے پاس پاک دل لے کر آیا (وہ بچ جائے گا)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿إن الذين يتلون كتاب الله وأقاموا الصلاة وأنفقوا مما رزقناهم سرا و علانية يرجون

تجارة لن تبور۔ ليو فيهم أجورهم و يزيدهم من فضله إنه غفور شكور۔﴾ الفاطر: ۲۹-۳۰

جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں، وہ اس تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی تباہ نہیں ہوگی۔ کیونکہ اللہ ان کو پورا پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے کچھ زیادہ بھی عطا کرے گا، وہ تو بخشنے والا اور قدردان ہے۔

تراویح: فضیلت و اہمیت اور حقیقت

ڈاکٹر رحمت اللہ السلفی

ماہ رمضان گونا گوں خوبیوں اور بے پناہ برکتوں و عظمتوں کا مہینہ ہے، اسی مہینہ میں قرآن مقدس کا نزول ہوا، اسی مہینہ میں شب قدر ہے جس کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے، اسی مہینہ میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، اسی مہینہ میں آپ ﷺ بکثرت ذکر و اذکار، عبادت و ریاضت اور تلاوت کلام پاک میں مشغول رہتے تھے، یہ وہ مہینہ ہے جس کی نفلی عبادت فرض کے برابر قرار پائی، ان نفلی عبادت میں ایک تراویح بھی ہے جس کا آپ نے خاصا اہتمام کیا اور امت کو ترغیب دی، ذیل میں تراویح کی فضیلت و اہمیت اور حقیقت بیان کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

تراویح کا معنی اور وجہ تسمیہ:

حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ تراویح ترویج کی جمع ہے جس کے معنی ایک مرتبہ آرام کرنا جیسے ایک مرتبہ سلام کو تسلیمہ کہا جاتا ہے اور رمضان میں تراویح کی باجماعت نماز کو تراویح اس لئے کہا جاتا ہے کہ شروع میں صحابہ کرام جب نماز پڑھتے تھے تو ہر دو سلام کے درمیان آرام کرتے تھے، امام محمد بن نصر مروزی نے قیام اللیل میں لیث بن سعد سے یہ قول نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام اتنی دیر تک آرام کرتے تھے کہ آدمی باسانی ایک دو رکعت پڑھ لے۔ (فتح الباری ۴/۲۵۰)

تراویح کی مشروعیت و حکم:

قرآن کریم و حدیث رسول ﷺ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کی نماز شریعت اسلامیہ میں مشروع ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الْمِزْمَلُ، قُمْ اللَّيْلَ الْاَقْلِيْلًا﴾ (المزمل: ۱-۲) اور ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ﴾ (الاسراء: ۷۹) اور حدیث رسول ﷺ ہے: ”من قام رمضان ايماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه“ جس نے ایمان و تصدیق کی بنیاد پر اجر و ثواب کی امید میں قیام رمضان کیا اس کے سابقہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (صحیح بخاری، صلاۃ التراویح ۴/۲۵۰ و مسلم، الصلاۃ ۳۹/۵ مع النووی)

جہاں تک اس کے حکم کا معاملہ ہے تو یہ فرض ہے نہ واجب بلکہ سنت موکدہ ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے تراویح کی نماز مسجد میں پڑھی، دوسرے لوگوں نے بھی باجماعت پڑھی، پھر آپ کے ساتھ دوسری رات بہت سے لوگوں نے نماز پڑھی، تیسری رات بھی آپ نے بہت سے لوگوں کے ساتھ باجماعت پڑھی، چوتھی رات اتنے لوگ اکٹھے ہو گئے مسجد تنگ ہو گئی، لیکن آپ اس رات نماز کے لئے نکلے ہی نہیں، بالکل فجر کی نماز کے لئے تشریف لائے، نماز کے بعد آپ نے فرمایا: ”قد

رأيت الذي صنعتهم فلم يمنعني من الخروج اليكم الا أني خشيت أن تفرض عليكم“ میں نے تمہاری آمادگی و دلچسپی کو دیکھا لیکن کمرے سے اس لئے نہیں نکلا کہ کہیں تراویح کی نماز تم پر فرض نہ ہو جائے پھر تم اس کو ادا نہ کر سکو۔ (صحیح بخاری، صلاۃ التہجد ۱۰۳ مع الفتح صحیح مسلم، المساجد ۶۱۶ مع النووی)

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے: ”کان رسول اللہ ﷺ یرغب فی قیام رمضان من غیر أن یأمرهم فیہ بعزیمۃ“ آپ ﷺ قیام رمضان کی ترغیب دیتے تھے لیکن واجبی طور پر نہیں کہتے تھے بلکہ ندب و ترغیب کے طور پر فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم، المساجد ۶۰۶ مع النووی) حضرت عائشہؓ کا بیان ہے: ”فصار قیام اللیل تطوعا بعد فریضۃ“ قیام اللیل فرضیت کے بعد مندوب ہو گیا۔ (صحیح مسلم، صلاۃ المسافر ۶۲۶ مع النووی)

تراویح کی فضیلت:

تراویح کی فضیلت متعدد احادیث میں وارد ہے، امام بخاری (۲۵۶ھ) نے باب فضل من قام رمضان کے تحت چھ حدیثیں نقل کی ہیں، اسی طرح امام مسلم (۲۶۱ھ) نے متعدد حدیثیں نقل کی ہیں، قیام اللیل کے نام سے مستقل کتاب امام محمد بن نصر مروزی نے لکھی ہے جس میں متعدد احادیث کو جمع کیا ہے ان احادیث میں سے چند بطور نمونہ نقل کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ کی مشہور حدیث: ”من قام رمضان ایمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه“۔ (تخریج گذرگئی) جس نے ایمان و تصدیق کی بنیاد پر اجر و ثواب کی امید میں قیام رمضان کیا اس کے سابقہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ”ما كان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرة رکعة یصلی أربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی أربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی ثلاثا“ آپ ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، چار رکعت پڑھتے تھے تم ان کے حسن و طول کے بارے میں نہ پوچھو، پھر چار پڑھتے تھے ان کے حسن و طول کا کیا کہنا پھر تین رکعت و تر پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری، صلاۃ التراویح ۲۵۱/۴ مع الفتح صحیح مسلم، المسافرین ۶۷۶ مع النووی)

حضرت ابو ذرؓ کی حدیث ہے: قیام اللیل امام کی اقتداء میں کیا جائے تو پوری رات کے قیام کا ثواب ملتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۹۰۲ سندہ صحیح صلاۃ التراویح ص ۱۵)

تراویح کی فضیلت ہی تھی کہ نبی امیؐ خود جاتے تھے اور دوسروں کو بھی جگاتے تھے، جیسے حضرت علیؓ وفاطمہؓ کو جگایا تھا۔ (صحیح بخاری، التہجد ۱۰۳ مع الفتح)

تراویح کی اہمیت:

سابقہ سطور میں تراویح کی جو فضیلت بیان کی گئی ہے اور قیام اللیل کے سلسلے میں جو دیگر حدیثیں وارد ہیں ان سے تراویح کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، فی نفسہ سنن نفلی عبادات کی مذہب اسلام میں کافی اہمیت ہے، صرف سنن رواتب کے بارے ہے کہ جو دن رات میں ۱۲ رکعتیں سنت پڑھے اس کے لئے جنت میں ایک گھر تیار ہوگا۔ (صحیح مسلم، المساجد ۶۶۶ مع النووی) اس کے علاوہ تحیۃ المسجد اور مغرب سے پہلے دو رکعت، سفر سے آنے پر دو رکعت کی کافی فضیلت و اہمیت ہے، نفلی عبادات مطلقاً محبت الہی کا ذریعہ ہیں، حدیث قدسی ہے: ”ما تقرب الی عبدی بشیء أحب الی مما افترضتہ علیہ وما یزال عبدی ینتقرب الی بالنوافل حتی أحبه فاذا أحببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ الذی یبطش بہ ورجلہ الذی یمشی بہا“ بندہ فرائض کی ادائیگی کر کے میری قربت حاصل کرے، مجھے زیادہ محبوب ہے اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ برابر میری قربت حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر مجھ سے وہ مانگتا ہے تو اسے دے دیتا ہوں۔ (صحیح بخاری، الرقاق ۳۴۱/۱۱ مع الفتح)

نوافل و مستحبات صرف محبت الہی کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ وہ فرائض کی تکمیل کا ذریعہ بھی ہیں جیسا کہ حدیث رسول ﷺ ہے: ”انظروا هل لعبدی من تطوع فتکمل بہ فریضتہ“ (سنن نسائی، الصلاة ۱۸۸/۱، صحیح، دیکھئے الضعیفۃ ۴/۳۱۵) معلوم ہوا کہ شریعت اسلامیہ میں نوافل و سنن کی کافی فضیلت و اہمیت ہے، اسی اہمیت کے پیش نظر نبی کریم ﷺ قیام اللیل کا زبردست اہتمام کرتے تھے اور اس حد تک کرتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک متورم ہو جاتے، پھٹ جاتے۔ (دیکھئے صحیح بخاری، التہجد ۳/۱۴۳ مع الفتح و صحیح مسلم، صفحہ الحجۃ والنار ۱۷۱/۱۶۲ مع النووی) آپ کے اگلے پچھلے سارے گناہ بخش دیئے گئے تھے تب بھی اتنی زحمت و تکلیف اٹھاتے تھے جب لوگوں نے سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: أفلا أکون عبدا شکورا۔

معلوم ہوا فی نفسہ تراویح و قیام اللیل کی مذہب اسلام میں کافی اہمیت ہے اور اس کے مقاصد و فوائد عظیم و مہتم بالشان ہیں، یہ ان نوافل میں سے ہیں جن کو شعائر اسلام کا نام دیا گیا اور اس کے لئے جماعت مشروع کی گئی۔

تراویح باجماعت مستحب ہے:

علامہ البانی (۱۹۹۹م) نے اپنی کتاب صلاۃ التراویح (۹-۱۵) میں تراویح باجماعت کے استحباب کو ثابت کرنے کے لئے متعدد حدیثیں نقل کی ہیں، بعض حدیثیں ایسی ہیں جن میں خود نبی کریم ﷺ کے باجماعت تراویح پڑھنے کا ذکر ہے، اور

بعض حدیثیں ایسی ہیں جن میں باجماعت ادا کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور بعض حدیثیں ایسی ہیں جن میں باجماعت ادا کرنے والوں کی تائید و تقریر ہے، ہم ان میں سے دو چند حدیثوں کو نقل کرتے ہیں، حضرت عائشہ کی حدیث اس سے پہلے گزری ہے کہ آپ ﷺ نے نماز پڑھی، آپ کی دیکھا دیکھی لوگوں نے جماعت کی پھر آپ نے جماعت کی تیسرے دن بھی جماعت کے ساتھ پڑھی لیکن چوتھے دن فرض ہونے کے خوف سے نہیں آئے، امام بخاری نے ”صلاة التوائف للجماعة“ کے بارے میں حضرت عثمان بن مالک کی حدیث نقل کی ہے کہ آپ ﷺ ان کی درخواست پر ان کے گھر گئے اور حضرت ابو بکر کو بھی لیکر گئے اور انہیں باجماعت نماز پڑھائی۔ (دیکھئے صحیح بخاری، التہجد ۶۱۳ مع الفتح)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ رمضان میں نماز پڑھتے تھے، ہم آکر آپ کے پہلو میں کھڑے ہو جاتے پھر دوسرا آتا، پھر تیسرا آتا پھر جب ہمارے بارے میں احساس ہو جاتا تو ہلکی نماز پڑھتے تھے پھر گھر جا کر نماز پڑھتے تھے۔ (مسند احمد ۱۹۹/۳، سند صحیح، صلاة التوائف ص ۱۰)

حضرت نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کے ساتھ رمضان کی تیسویں تاریخ ثلاث لیل تک قیام کیا، پھر ۲۵ ویں کو نصف لیل تک قیام کیا، اور ۲۷ ویں کو دیر رات تک قیام کیا، یہاں تک کہ لگا کہ سحری کا وقت نکل جائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۹۰۲ و مستدرک حاکم ۴/۴۰۱، صحیح صلاة التوائف ص ۱۰)

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ تراویح باجماعت مشروع تھی، جس رات آپ نے باجماعت تراویح ادا نہیں کی اس کی علت یہ تھی کہ کہیں فرض نہ ہو جائے، اب چونکہ علت باقی نہیں رہی، آپ کی وفات سے فضیلت کا اندیشہ ختم ہو گیا، اس لئے تراویح باجماعت مشروع رہے گی، اسی لئے تو حضرت عمرؓ نے باقاعدہ جماعت کا اہتمام کرایا۔ (صلاة التوائف ص ۱۳)

چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عبد القاری کا بیان ہے کہ ہم حضرت عمر کے ساتھ رمضان کی ایک رات مسجد کی طرف نکلے، دیکھا کہ لوگ منتشر ہو کر مختلف ٹولیوں میں نماز ادا کر رہے ہیں، کوئی تنہا اور کوئی چند لوگوں کے ساتھ، یہ دیکھ کر حضرت عمر نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ اگر ان لوگوں کو ایک قاری (امام) کی اقتداء میں نماز قائم کرنے کا حکم دیا جائے تو بہتر ہوگا، چنانچہ آپ نے اس کا پختہ ارادہ کر لیا اور حضرت ابی بن کعب کو امام مقرر کر دیا، دوسری رات جب ہم لوگ (معاینہ کے لئے) نکلے تو دیکھا کہ لوگ باجماعت نماز ادا کر رہے ہیں، اسے دیکھ کر حضرت عمر نے فرمایا: ”نعمت البدعة هذه“ کیا ہی اچھی بدعت ہے۔ (صحیح بخاری، صلاة التوائف ۲۵۰/۴ مع الفتح) یعنی نئے سرے سے باجماعت تراویح کی نماز پڑھنا بہتر و مستحب ہے، اس لئے کہ جماعت کے ساتھ آپ ﷺ نے نماز پڑھی تھی، لیکن بعد میں جماعت متروک ہو گئی یہاں تک کہ حضرت عمر نے دوبارہ

جماعت سے نماز تراویح شروع کرائی۔

معلوم ہوا کہ تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا بہتر و مستحب اور افضل ہے کیونکہ اس میں جماعت کی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے، بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ تراویح کی نماز جماعت سے پڑھنے کے مقابلہ میں فرداً فرداً پڑھنا زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ جماعت سے آپ ﷺ نے پہلے پڑھی، بعد میں جماعت نہیں کی، آخری حکم افضل ہوگا، ہم سمجھتے ہیں یہ ان کی خام معلومات کا اثر ہے ورنہ وہ ایسی بات کہتے ہی نہیں، اس لئے کہ جس علت کی بنا پر آپ ﷺ نے جماعت نہیں کی تھی وہ علت اب مفقود ہوگئی ہے کہ کہیں فرض نہ ہو جائے، اب جبکہ وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے، آپ کی وفات ہوگئی ہے تو فرضیت کا کوئی اندیشہ بھی نہیں، اس لئے پہلے کی طرح جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل و مستحب ہوگا۔

جماعت میں کون شریک ہوگا؟:

تراویح کی نماز جب جماعت سے پڑھی جائے تو اس میں جوان بچے، بوڑھے، معذور، غیر معذور مرد و عورت سب شریک ہو سکتے ہیں، مردوں کی جماعت مسجد میں ہوگی اور ان کی اقتداء میں عورتیں بھی مسجد میں تراویح کی نماز پڑھ سکتی ہیں بشرطیکہ شریعت (حجاب وغیرہ) کا خیال رکھا جائے، حدیث رسول ﷺ ہے: ”لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ“ تم اللہ کی باندیوں (عورتوں) کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔ (صحیح مسلم، الصلاة ۱۶۱/۴ مع النووی) اگر مردوں کی نماز الگ ہو اور عورتوں کی الگ ہو تو یہ بھی جائز ہے، الگ الگ امام کی اقتداء میں نماز ادا کریں گے، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر نے ابی بن کعب کو مردوں کے لئے اور تمیم داری اور سلیمان بن ابی حنمہ کو عورتوں کی امامت کے لئے امام مقرر کیا تھا۔ (فتح الباری ۴/۲۵۳)

تراویح کا افضل وقت کیا ہے؟:

تراویح کا وقت بالاتفاق عشاء کے بعد سے شروع ہو کر فجر تک ہے، آپ ﷺ عشاء کے بعد ہی تراویح کی نماز پڑھتے تھے، حضرت عائشہ ؓ کا بیان ہے: ”کان رسول اللہ ﷺ یصلی فیما بین أن یفرغ من صلاة العشاء وہی التی یدعو الناس العتمة الی الفجر احدی عشرة رکعة“ آپ عشاء کے بعد سے فجر تک میں گیارہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم، صلاة المسافرین ۱۶۶ مع النووی)

افضل وقت کیا ہے؟ اول شب یا آخر شب اس کے بارے میں اختلاف ہے؟ حدیثوں میں آخر شب کی فضیلت زیادہ بیان کی گئی ہے، نبی کریم ﷺ ابتداء رات کو سوتے تھے اور آخر شب کو قیام کرتے تھے۔ (صحیح بخاری، التہجد ۳۲/۳ مع الفتح و صحیح مسلم، المسافرین ۲۲/۶ مع النووی) حضرت عمر نے فرمایا تھا: ”والتی ینامون عنہا أفضل من التی یقومون یرید آخر اللیل وکان الناس یقومون اولہ“ اول شب میں قیام کرنے کے مقابلہ میں آخر شب میں قیام کرنا افضل ہے۔

(صحیح بخاری، صلاۃ التراويح ۴/۲۵۰ مع الفتح) ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات آخری حصہ میں سماء دنیا پر نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے کون ہے جو مجھے پکارے میں اس کی پکار سنوں گا، کون ہے جو مانگے میں اسے دوں گا، کون ہے جو استغفار کرے میں مغفرت کروں گا۔ (صحیح بخاری، التہجد ۳/۲۹۳ مع الفتح صحیح مسلم، المسافرین ۶/۳۶۶ مع النووی)

تراویح کی نماز چونکہ جماعت کے ساتھ پڑھنا مستحب و افضل ہے اور آخر شب میں لوگوں کا جماعت میں شریک ہونا مشکل امر ہے، بالخصوص ہماہمی کے اس دور میں اور مشکل ہے، لوگ محنت و مشقت کر کے تھکے رہتے ہیں، سونے کے بعد جاگنا ان کے لئے مشکل ترین امر ہے، اس لئے ان کی اور جماعت کی رعایت کرتے ہوئے تراویح کا افضل وقت اول شب ہوگا، اس لئے ایک حدیث میں ہے جو امام کے ساتھ قیام لللیل کرے اسے پوری رات کا ثواب ملتا ہے۔ (سنن ابوداؤد ۱/۲۱۷، سند صحیح، صلاۃ التراويح ص ۱۵) اگر تمام مصلیان مسجد آخر شب میں جماعت کرنے پر متفق ہو جائیں تو سب سے افضل و اولیٰ ہے، یہ تو رہا جماعت کے ساتھ پڑھنے والوں کے لئے افضل وقت، لیکن اگر کوئی تنہا پڑھتا ہے تو اس کے لئے آخری شب بہتر ہے، اس کی طرف یہ حدیث اشارہ کر رہی ہے: "إن خیر صلاة المرء فی بیته الا الصلاة المكتوبة" (صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین ۶/۷۰۶ مع النووی)

تراویح کی نماز کیسے پڑھی جائے؟:

ماہ رمضان افضل مہینہ ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ہر مومن اس مہینہ میں عمدہ طریقہ سے عمدہ کام کرے، ذکر و اذکار، تلاوت کلام پاک، روزہ، نماز، زکوٰۃ الغرض ہر طرح کے عمل صالح کو مکمل اخلاص و للہیت کی بنیاد پر نبوی طریقے کے مطابق انجام دے، تراویح پر وقار و پریشکوہ عبادت کا نام ہے، اس لئے اسے پروقار انداز میں اعتدال و اطمینان کے ساتھ ادا کرے، طویل قیام و قراءت کے ساتھ ایسے پڑھے کہ صلوا کما رأیتمونی اصلی۔ (صحیح بخاری، الاذان ۲/۶۳۱ مع الفتح) کی مکمل تصویر بن جائے، آپ ﷺ اتنی لمبی نماز پڑھتے تھے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس کی خوبصورتی و حسن و جمال اور طوالت کے بارے میں نہ پوچھو اور حضرت عمر نے تمیم داری اور ابی بن کعب کو گیارہ رکعتیں پڑھانے کا حکم دیا تھا، چنانچہ وہ سو آیات پڑھا کرتے تھے اور صحابہ لاٹھی کے سہارے ٹیک لگائے رہتے، نماز اتنی لمبی ہوتی تھی کہ فجر کے وقت وہ نماز سے فارغ ہوتے۔ (موطأ امام مالک ۱/۳۷۱ رقم: ۲۳۸) اگر جماعت میں بوڑھے، کمزور، بچے ہوں تو ان کی رعایت کرتے ہوئے ہلکی بھی پڑھنے کی اجازت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی امامت کرے تو ہلکی نماز پڑھائے، اس لئے کہ مقتدیوں میں کمزور، بیمار، بوڑھے، ضرورت مند ہوتے ہیں"۔ (صحیح بخاری، الاذان ۲/۱۹۹ مع الفتح صحیح مسلم، الصلاۃ ۴/۱۸۵ مع النووی)

بہر حال لمبی ہو یا مختصر اعتدال و خشوع کے ساتھ تراویح کی نماز ادا کی جائے گی، دو دو رکعت کر کے یا پھر چار چار رکعت

کر کے دونوں طرح پڑھنا حدیث رسول سے ثابت ہے، حضرت عائشہ کی حدیث میں ہے: ”صلاة اللیل مثنی مثنی“ رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ (صحیح بخاری، الوتر ۲/۷۷۷ مع الفتح و صحیح مسلم، صلاة المسافرین ۶/۳۰۷ مع النووی) اور حضرت عائشہ کی حدیث گزری، آپ چار پڑھتے تھے، ان کی طوالت و خوبصورتی کا کیا کہنا، بہتر یہ ہے کہ دو دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر لے، اس میں تخفیف و تسہیل ہے۔

رکعات تراویح:

دو دو پڑھے یا چار چار، اتنی پڑھے جتنا کہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے، اور صحابہ نے اس پر عمل کیا ہے، کتب حدیث و سیرت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے رمضان و غیر رمضان میں وتر سمیت گیارہ رکعت پڑھی ہیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ”ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدى عشرة رکعة“ (صحیح بخاری، صلاة التراویح ۴/۲۵۱ مع الفتح و صحیح مسلم، صلاة التراویح ۶/۷۷۷ مع النووی) گیارہ رکعت ہی سنت موکدہ ہے، اسی لئے حضرت عمر نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ بیس رکعت کے بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۰۲) کی ایک روایت ہے لیکن محققین حافظ ابن حجر (فتح الباری: ۴/۲۵۴) سیوطی (الحاوی للفتاویٰ ۲/۷۳۲) البانی (صلاة التراویح ص ۱۹) نے ضعیف جدا کہا ہے، علامہ نذیر احمد رحمانی (۱۹۶۵م) نے اپنی کتاب انوار مصابیح (۱۴۸-۱۵۰) میں زیلعی، یعنی عبدالحی لکھنوی، انور شاہ کشمیری کو اس کی تضعیف کرنے والوں میں گنایا ہے۔

حضرت عمر کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے بیس رکعت کا حکم دیا تھا، حالانکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں، موطاً امام مالک میں گیارہ ہی کا ثبوت ہے، اسی لئے امام شافعی، نووی، البانی نے بیس رکعت کو غیر درست مانا ہے۔ اجماع سے بھی بیس رکعت ثابت نہیں کیونکہ مختلف آثار صحابہ و تابعین میں مختلف عدد کا ذکر ہے، اگر اجماع تھا تو اختلاف کیوں ہوا؟ غالباً یہی وجہ تھی کہ علامہ عینی (عمدة القاری ۳/۵۹۷) شوق نیوی (آثار السنن ۲/۵۱۲) عبدالحی لکھنوی (مجموع فتاویٰ ۱/۳۵۴) گیارہ رکعت کو سنت موکدہ کہا، اب اگر کوئی نفل نماز مان کر گیارہ سے زیادہ پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے، چاہے بیس پڑھے یا چالیس یا چھتیس پڑھے۔

محکمہ فکر کریمہ: نہایت افسوس کا مقام ہے کہ آج تراویح کی نماز میں لوگ اعتدال و خشوع کا اعتبار نہیں کرتے، قراء متعدد مسجدوں میں ختم قرآن کے لئے اتنی تیز قراءت کرتے ہیں کہ آیات کا سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے، مصلیان بھی ان ائمہ کو ترجیح دیتے ہیں جو خوب تیز پڑھ سکے، وہ سمجھتے ہیں کہ ختم قرآن ہی تراویح کا مقصود ہے، گویا امام و مقتدی دونوں کی نگاہ میں مقصود غیر مقصود ہو گیا اور غیر مطلوب مطلوب ہو گیا، تراویح میں قرآن ختم کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں، اس لئے افضل بھی نہیں، اگر ممکن ہو تو قرآن ختم کر لے ورنہ جتنا ممکن ہو سکے پڑھے اور اعتدال سے پڑھے۔ شیخ ابن باز رحمہ اللہ کا یہی موقف ہے۔ (دیکھئے الجواب الصحیح من احکام صلاة اللیل و التراویح ص ۱۱)

ہمیں امید ہے کہ قراء وائمہ مساجد اور عام مصلیان تراویح کی پرکھ و روح پرور نماز کو بے کیف و بے روح ہونے سے بچائیں گے اور تراویح کی جو فضیلت و اہمیت بیان کی گئی ہے اس کو مدنظر رکھ کر سنت نبوی کے مطابق ادا کریں گے، اللہ انہیں اس کی توفیق دے، آمین۔☆☆☆

بقیہ درس حدیث

اسی لئے ایک مسلمان اس بات کا مکلف ہے کہ وہ اپنی مرضی کو بھی شریعت کا پابند بنائے تاکہ احکام شریعی کی تعمیل میں اس کا کوئی عمل دخل نہ رہ جائے۔ ایک ضعیف حدیث میں وارد ہے: لا یومن أحدکم حتی یکون هواہ تبعاً لما جئت بہ تم میں کا کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائیں۔ (شرح السنۃ للبخاری/۲۱۲)

اسی طرح روزہ دار کو یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ وہ روزہ کیوں رکھتا ہے؟ قرآن کریم میں اس بات کو واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے لعلمکم تتقون تاکہ روزہ دار روزہ رکھ کر تقویٰ کی زندگی کا عادی بن جائے، تقویٰ کی مختصر تشریح یہ ہے کہ خصال حمیدہ کو اختیار کرنا اور زائل سے بچنا۔ اسی لئے اللہ کے رسول ﷺ نے کئی احادیث میں اس بات کی وضاحت فرمادی کہ روزہ کا مقصد محض بھوک و پیاس نہیں اور اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ وہ روزہ کے نام پر بندوں کو بھوکا پیاسا رکھ کر اذیت دے بلکہ اس کا مقصد تہذیب و تربیت نفس ہے اور جو روزہ دار اس عظیم مقصد کو پیش نظر رکھ کر روزہ نہیں رہتا اس کا روزہ صرف بھوک و پیاس سے ہی عبارت ہے اور یہ اللہ کا مقصود نہیں۔ اس مضمون کے شروع میں جو حدیث ذکر کی گئی ہے اس میں نیز درج ذیل حدیثوں میں اسی لیے روزے کی حفاظت کی تاکید کی گئی، تاکہ اس کا مقصد حاصل ہو اور یہ محض بھوک و پیاس کا روزہ نہ رہ جائے۔

”من لم یدع قول الزور والعمل بہ فلیس للہ حاجۃ أن یدع طعامہ وشرابہ“ (بخاری مع الفتح/۹۹)

جو شخص حرام باتوں اور حرام کاموں سے بحالت روزہ اپنے آپ کو نہ بچائے تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ (روزہ کے نام پر)

کھانا پینا چھوڑ دے۔

”لیس الصیام من الطعام والشراب وانما الصیام من اللغو والرفث“ (حاکم)

روزہ کھانے پینے سے پرہیز کا نام نہیں بلکہ (اصل) روزہ گناہ کے کاموں اور اس کی باتوں سے بچنے کا نام ہے۔

”کم من صائم لیس من صیامہ الا الظمأ“ (دارمی)

کتنے روزے دار ایسے ہیں جن کو ان کے روزہ سے بجز پیاس کے کچھ حاصل نہیں۔

”الصیام جنۃ ما لم یخرقہا قیل : بم یخرقہا ، قال : بکذب أو غیبۃ“ (نسائی، طبرانی)

روزہ ایک ڈھال ہے جب تک (روزہ دار) اس میں شگاف نہ کرے، پوچھا گیا اس میں کس سے شگاف کرے گا، آپ ﷺ نے فرمایا: جھوٹ یا

غیبت کے ذریعہ۔

ان تمام احادیث سے ہم اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک روزہ دار کے لئے حرام باتوں اور حرام کاموں سے اپنے روزہ کی حفاظت کتنی ضروری ہے اس لئے کہ اس کے بغیر نہ روزہ دراصل روزہ ہوگا اور نہ ہی روزہ کا وہ مقصد حاصل ہوگا جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس عظیم عبادت کو فرض کیا ہے بلکہ یہ مقصد تو اس وقت حاصل ہوگا جب روزہ دار اپنے آپ کو بحالت روزہ شریعت کے تمام احکام کا پابند بنائے، اور وہ اس بات کی عادت ڈالے کہ سال کے دوسرے دنوں میں یہ پابندی قائم رہے، اور وہ یہ سمجھے کہ روزہ صرف پیٹ..... کا نہیں ہے بلکہ پورے سراپا کا ہے، صرف کھانے پینے کا نہیں ہے بلکہ اولاً تو تمام محرمات کا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”اذا صمت فلیصم سمعک وبصرک ولسانک عن الکذب والمحارم، ودع عنک اذی الجار ولیکن علیک وقار وسکینۃ یوم صومک ولا تجعل یوم صومک ویوم فطرك سواء“۔

جب تم روزہ رہو تو تمہارا کان، آنکھ اور زبان بھی (جھوٹ اور حرام چیزوں سے) روزہ رہے، اور پڑوسی کو اذیت نہ دو اور بحالت روزہ تم پر نرمی

ووقار کے آثار نمایاں رہیں اور اپنے روزہ کے دن اور دوسرے دنوں کو ایک جیسا مت بنا لو۔●

دعا تقرب الہی کا بہترین ذریعہ

رمضان المبارک عبادتوں کا موسم ہے اور عبادتوں کی روح دعا ہے، رب کا ذکر، اس کو پکارنا، اس سے لو لگانا اور اس کی طرف رجوع کرنا یہ مغز عبادت ہے، اگر عبادت اس سے خالی رہے تو وہ بے جان ہے۔ قرآن کریم میں روزہ کی فرضیت اور اس کے احکام و مسائل نیز رمضان کی فضیلت کے بیان کے ساتھ ہی ساتھ اس بات کا بیان کہ جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں فأنی قریب أجیب دعوة الداع اذا دعان میں ان سے بہت قریب ہوں اور جب دعا کرنے والا مجھ سے دعا کرتا ہے تو اس کی دعا کو سنتا ہوں، یہ فرما کر رمضان اور ان کے روزہ کا دعا سے جو گہرا رشتہ ہے اس کو بیان کر دیا گیا اور اسی طرح دوسری آیت میں اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کے اوصاف ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وبالأسحار هم يستغفرون بوقت سحر وہ دعا و استغفار کرتے ہیں نیز آپ نے فرمایا: تتجافى جنوبهم عن المضاجع يدعون ربهم خوفاً وطمعا۔ ان کے پہلو بستر سے الگ رہتے ہیں اور اپنے رب سے ثواب کی امید اور عذاب سے ڈرتے ہوئے دعا کرتے ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: دعوة الصائم عند فطره لا ترد۔ روزہ دار کی دعا افطار کے وقت مقبول و مستحب ہے۔

ان نصوص سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رمضان المبارک جس طرح صیام و قیام کا مہینہ ہے، اسی طرح یہ قبولیت دعا کا بھی موسم ہے اور اس مہینہ میں بکثرت دعا کر کے دن اور رات، افطار اور سحری کے وقت اپنی عاجزی اور بندگی کا اظہار اور اپنے رب کا تقرب و رضا حاصل کرنی چاہئے۔

ذیل میں چند مستحب دعائیں علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مترجم کتاب سے ماخوذ ہیں، یہ دعاؤں کا ایک بہترین گلدستہ ہے، رمضان المبارک میں ان دعاؤں کو بکثرت پڑھ کر ہم رب کریم کی رحمت و مغفرت کے مستحق بن سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔ (ادارہ)

• ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ“

”پاک ہے اللہ اور اس کی حمد بیان کرتے ہیں۔ پاک ہے اللہ عظمت والا۔“

• ”لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ“

”تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے، بے شک میں ہی ظالم ہوں۔“

• ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ، لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ، وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ“

”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم سب اسی کی بندگی کرتے ہیں، اسی کے لئے نعمت ہے اور فضل، اور اسی کے لئے اچھی تعریف ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہم خالص کرتے ہیں اسی کے لئے دین کو، خواہ کافر پسند نہ کریں۔“

● ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ .

”نہیں ہے کسی کو زور اور قوت اللہ کے سوا۔“

● ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

”اے ہمارے رب! عطا کر ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔“

● ”اللَّهُمَّ أَصْلِحْ لِي دِينِي الَّذِي هُوَ عِصْمَةُ أَمْرِي وَأَصْلِحْ لِي دُنْيَايَ الَّتِي فِيهَا مَعَاشِي، وَأَصْلِحْ لِي آخِرَتِي الَّتِي فِيهَا مَعَادِي وَاجْعَلِ الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِي فِي كُلِّ خَيْرٍ، وَالْمَوْتَ رَاحَةً لِي مِنْ كُلِّ شَرٍّ“ .

”اور میرے لئے میری دنیا سدھار دے جس میں میری روزی ہے، اور میرے لئے میری آخرت سدھار دے جس میں مجھے لوٹ کر جانا ہے اور زندگی کو میرے لئے ہر بھلائی میں زیادتی کا باعث بنا دے اور موت کو میرے لئے ہر برائی سے راحت بنا دے۔“

● ”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَ دَرَكِ الشَّقَاءِ، وَ سُوءِ الْقَضَاءِ، وَ شِمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ“ .

”میں پناہ چاہتا ہوں اللہ کی، آزمائش کی سختی سے اور سختی کے پانے سے اور بُرے فیصلے سے اور دشمنوں کے ہنسنے سے۔“

● ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ، وَمِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَمِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ، وَمِنَ الْمَأْتَمِ وَالْمَغْرَمِ وَمِنَ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ“ .

”اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں فکر سے اور غم سے اور عاجزی و سستی و بزدلی، اور بخل و گناہ سے اور قرض خواہ اور قرض کے غلبے سے، اور لوگوں کے دباؤ سے۔“

● ”أَعُوذُ بِكَ اللَّهُمَّ مِنَ الْبَرَصِ وَالْجُنُونِ، وَالْجَذَامِ، وَمِنْ سَيِّئِ الْأَسْقَامِ“ .

”اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں برص سے، جنون سے، کوڑھ سے اور بُری بیماریوں سے۔“

● ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ“

”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں درگزر کا، اور دنیا و آخرت میں عافیت کا۔“

● ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَأَهْلِي وَمَالِي“ .

”اے اللہ! میں تجھ سے درگزر اور عافیت کا سوال کرتا ہوں اپنے دین اور دنیا اور اہل اور مال کے بارے میں۔“

● ”اللَّهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِي وَ آمِنْ رَوْعَاتِي، وَ احْفَظْنِي مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِي وَ عَن يَمِينِي، وَ عَن شِمَالِي وَ مِنْ فَوْقِي وَ أَعُوذُ بِعَظَمَتِكَ أَنْ أُغْتَالَ مِنْ تَحْتِي“ .

”اے اللہ! میرے عیوب کو چھپا دے، اور مجھے خوف سے محفوظ رکھ اور میری حفاظت کر میرے سامنے، پیچھے اور دائیں بائیں اور اوپر سے اور تیری عظمت کی پناہ چاہتا ہوں کہ میں نیچے سے بہکا یا جاؤں۔“

- ” اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ خَطِيئَتِيْ وَجَهْلِيْ وَ اِسْرَافِيْ فِيْ اَمْرِيْ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهِ مِنِّيْ .“
”اے اللہ! میری خطا، نادانی، اور میرے کام میں میری زیادتی کو بخش دے! جو کچھ بھی تو میری طرف سے جانتا ہے۔“
- ” اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ جِدِّيْ وَ هَزْلِيْ وَ خَطِيئِيْ وَ عَمْدِيْ، وَكُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِيْ .“
”اے اللہ! میری حقیقت، مذاق، خطا اور ارادے کو بخش دے، اور یہ سب میری ہی طرف سے ہے۔“
- ” اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَعْلَمُ بِهِ مِنِّيْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ .“
”اے اللہ! معاف کر دے جو کچھ میں نے پہلے کیا اور بعد میں کیا، اور جو کچھ خفیہ کیا اور جو کچھ علانیہ کیا اور جس کو تو مجھ سے بہتر جانتا ہے تو ہی آگے کرنے والا ہے اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔“
- ” اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ الثَّبَاتَ فِيْ الْاَمْرِ، وَ الْعَزِيْمَةَ عَلٰى الرَّشْدِ وَاَسْأَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَ حُسْنَ عِبَادَتِكَ وَاَسْأَلُكَ قَلْبًا سَلِيْمًا وَّلِسَانًا صَادِقًا وَاَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَ اَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ اِنَّكَ عَلَامُ الْغُيُوْبِ .“
”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کام میں ثابت قدمی کا اور ہدایت پر استقلال کا، اور تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری نعمت پر شکر کا اور تیری عبادت اچھی طرح کرنے کا، تجھ سے سوال کرتا ہوں قلب سلیم کا اور سچی زبان کا، اور سوال کرتا ہوں اس بھلائی کا جس کو تو جانتا ہے اور تیری پناہ چاہتا ہوں اپنی اس برائی سے جس کو تو جانتا ہے اور مغفرت چاہتا ہوں تجھ سے اس برائی کی جس کو تو جانتا ہے بے شک تو ہی غیب کا جاننے والا ہے۔“
- ” اَللّٰهُمَّ رَبِّ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ، عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ وَ اَذْهَبْ غَيْظَ قَلْبِيْ، وَ اَعِزَّنِيْ مِنْ مُضَلَّاتِ الْفِتَنِ مَا اُبْقَيْتَنِيْ .“
”اے اللہ! نبی کریم ﷺ کے رب! میرے گناہ بخش دے، اور میرے دل کے غصے کو دور کر دے اور گمراہ کن فتنوں سے مجھے بچا جب تک تو مجھ کو زندہ رکھے۔“
- ” اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبَّ الْاَرْضِ وَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، وَ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ، فَالِقَ الْحَبِّ وَ النَّوِيْ مُنْزِلَ التَّوْرٰةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْآنِ، اَعُوْذُ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ اَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهِ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ اَقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ وَ اَغْنِنِيْ مِنَ الْفَقْرِ .“
”اے اللہ! آسمانوں اور زمینوں کے رب اور عرش عظیم کے رب! ہمارے اور ہر چیز کے رب! دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والے! تورات، انجیل اور قرآن کو اتارنے والے! میں ہر چیز کی برائی سے پناہ چاہتا ہوں، تو ہی اس کی پیشانی کو پکڑنے والا ہے تو اول ہے تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں اور تو آخر ہے تیرے بعد کوئی چیز نہیں ہے، اور تو ظاہر ہے تیرے اوپر کوئی چیز نہیں، اور تو باطن ہے تیرے سوا کوئی چیز نہیں، میری طرف سے قرض ادا کر دے اور مجھے فقر سے بے نیاز کر دے۔“

- ”اللَّهُمَّ اعْطِ نَفْسِي تَقْوَاهَا وَ رِزْقَهَا أَنْتَ خَيْرُ مَنْ رَزَقَهَا أَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا“
 ”اے اللہ! عطا کر میرے نفس کو اس کی پرہیزگاری اور اس کو صاف کر دے، تو ہی سب سے اچھا اس کو صاف کرنے والا ہے تو ہی اس کا ولی اور مولیٰ ہے۔“
- ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْهَرَمِ وَالْبُخْلِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ“
 ”اے اللہ! تیری پناہ چاہتا ہوں مجبوری اور سستی سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں بزدلی، بڑھاپے اور بخل سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں عذاب قبر سے۔“
- ”اللَّهُمَّ لَكَ أَسَلْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنْبَتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ أَعُوذُ بِعِرَّتِكَ أَنْ تُضِلَّنِي لِإِلَهِ إِلَّا أَنْتَ، أَنْتَ الْحَيُّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَالْجَنُّ وَالْإِنْسُ يَمُوتُونَ“
 ”اے اللہ! میں تیرے لئے فرمانبردار ہوا اور تیری ذات پر ایمان لایا اور تیرے اوپر بھروسہ کیا اور تیری طرف رجوع ہوا، اور تیرے سہارے لڑا۔ میں پناہ چاہتا ہوں تیری عزت کی کہ تو مجھے گمراہ کر دے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو زندہ ہے مرے گا نہیں جب کہ جن و انسان مر جائیں گے۔“
- ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ، وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ، وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ، وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا يُسْتَجَابُ لَهَا“
 ”اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے اور اس قلب سے جو خوف نہ کھائے اور اس نفس سے جو آسودہ نہ ہو اور اس دعا سے جو قبول نہ کی جائے۔“
- ”اللَّهُمَّ جَنِّبْنِي مُنْكَرَاتِ الْأَخْلَاقِ وَالْأَعْمَالِ وَالْأَهْوَاءِ وَالْأَدْوَاءِ“
 ”اے اللہ! مجھ کو برے اخلاق اور برے اعمال، اور بری خواہشات اور بیماریوں سے بچا۔“
- ”اللَّهُمَّ أَلْهِمْنِي رُشْدِي وَأَعِدْنِي مِنْ شَرِّ نَفْسِي“
 ”اے اللہ! مجھے میری ہدایت کی خبر کر، اور مجھے میرے نفس کے شر سے بچا۔“
- ”اللَّهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ، وَأَغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ“
 ”اے اللہ! میری کفایت کر اپنے حلال کے ذریعہ اپنے حرام سے اور اپنے فضل سے اپنے ماسوا سے مجھے بے نیاز کر دے۔“
- ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْهُدَى وَالتَّقَى وَالعَقَافَ وَالعِنْيَ“
 ”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ہدایت کا، اور پارسائی اور پاکدامنی و بے نیازی کا۔“
- ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْهُدَى وَالسَّدَادَ“
 ”اے اللہ! میں سوال کرتا ہوں ہدایت و درستگی کا۔“
- ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهِ عَاجِلِهِ وَآجِلِهِ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ، وَمَا لَمْ أَعْلَمْ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ

الشَّرَّ كُلِّهِ عَاجِلِهِ وَآجِلِهِ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ أَعْلَمْ وَأَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا أَسْأَلُكَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَكَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“

”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ہر بھلائی کا جلد آنے والی اور دیر میں آنے والی جس کو میں نے جانا اور جس کو نہیں جانا۔ تیری پناہ چاہتا ہوں ہر برائی سے جلد آنے والی اور دیر میں آنے والی، جس کو میں نے جانا اور جس کو نہیں جانا۔ تجھ سے سوال کرتا ہوں اس بھلائی کا جس کو تیرے بندے اور نبی محمد ﷺ نے مانگا، اور تیری پناہ چاہتا ہوں اس چیز کی برائی سے جس سے تیرے بندے اور نبی محمد ﷺ نے پناہ مانگی۔“

● ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ، وَأَسْأَلُكَ أَنْ تَجْعَلَ كُلَّ قَضَاءٍ قَضَيْتَهُ لِي خَيْرًا“

”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں جنت کا، اور اس عمل یا قول کا جو جنت کی طرف قریب کرے اور تجھ سے سوال کرتا ہوں اس بات کا کہ ہر فیصلے کو جو تو نے میرے لئے مقرر کیا ہے اس کو بھلا و بہتر کر دے۔“

● ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“

”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے ملک ہے اور اسی کے لئے سب تعریف وہی زندہ کرتا ہے وہی مارتا ہے اسی کے ہاتھ میں بھلائی ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔“

● ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ“

”پاک ہے اللہ اور سب تعریف اللہ کے لئے ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے اور نہ کوئی زور ہے نہ قوت مگر اللہ بلند عظمت والے کے پاس۔“

● ”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ“

”اے اللہ! درود بھیج محمد ﷺ پر اور آل محمد پر جس طرح تو نے درود بھیجا ابراہیم (علیہ السلام) پر، بے شک تو قابل تعریف بزرگی والا ہے۔ اور برکت نازل کر محمد ﷺ اور آل محمد پر، جس طرح تو نے برکت نازل کی ابراہیم اور آل ابراہیم پر۔ بیشک تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔“

● ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

”اے ہمارے رب! ہمیں عطا کر دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔“

(ماخوذ از: حج، عمرہ اور زیارت کتاب و سنت کی روشنی میں)

صدقہ فطریہ یا زکاة فطر

عبداللہ سعود بن عبدالوہید

صدقہ فطر وہ زکوٰۃ ہے جو رمضان کے روزوں کے اختتام پر نماز عید الفطر سے پہلے نکالی جاتی ہے، صدقہ فطر ہجرت کے دوسرے سال فرض ہوا جس سال رمضان کے روزے فرض ہوئے تھے، اس کا مقصد یہ ہے کہ روزہ دار کو اس کے ذریعہ لغو اور فحش باتوں سے پاکیزگی حاصل ہو اور مسکینوں کو عید کے دن کھانا میسر آئے اور انہیں عید کے دن مانگنے سے بے نیاز کر دیا جائے۔

زکوٰۃ الفطر اور عام زکوٰۃ میں بنیادی فرق ہے، کیونکہ یہ اشخاص پر عائد ہوتی ہے جبکہ عام زکوٰۃ اموال پر عائد ہوتی ہے، اس لئے صدقہ فطر کے لئے نصاب وغیرہ کی شرطیں نہیں ہیں۔

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: ان رسول اللہ ﷺ فرض زکاة الفطر من رمضان صاعاً من تمر أو صاعاً من شعیر علی کل حر أو عبد ذکر أو أنثی من المسلمین۔ (یعنی) رسول اللہ ﷺ نے رمضان کا صدقہ فطر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جوہر مسلمان پر فرض قرار دیا ہے، خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت۔ (اس میں چھوٹے بڑے سب شامل ہیں جیسا کہ دوسری روایتوں سے ثابت ہے اس لئے فیملی کے جملہ افراد بشمول نومولود بچے اور اپنے ماتحت افراد کی طرف سے فی نفر ایک صاع صدقہ فطر نکالنا چاہئے) اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: کنا نخرج زکاة الفطر صاعاً من طعام أو صاعاً من شعیر أو صاعاً من تمر أو صاعاً من أقط أو صاعاً من زبیب۔ (بخاری و مسلم) یعنی ہم صدقہ فطر ایک صاع غلہ یا ایک صاع جوہر یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع کشمش یا ایک صاع پیڑ نکالا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں اس کی حکمت بیان ہوئی ہے، فرماتے ہیں کہ فرض رسول اللہ ﷺ زکاة الفطر طہرۃ للصائم من اللغو والرفث وطعمۃ للمساکین۔ (ابوداؤد) یعنی رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر فرض قرار دیا ہے کہ یہ روزہ دار کے لئے لغو اور بے حیائی کی باتوں سے پاکیزگی کا باعث اور مسکینوں کے لئے غذا ہے۔

تمام مذکورہ اجناس کو اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں ایک صاع کے حساب سے نکالا جاتا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں گہوں آدھا صاع صدقہ فطر قرار دیا تھا جیسا کہ بخاری میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جن کا زمانہ (۴۱-۶۰ھ) کا ہے۔ کیونکہ گہوں کھجور کے مقابلہ میں مہنگی تھی، مگر آپ غور فرمائیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں کئی چیزوں کو صدقہ فطر میں دیا جاتا تھا جس کی قیمت برابر نہیں تھی، مگر نصاب کے اعتبار سے سب ایک صاع متعین تھی اس لئے سستا اور مہنگا بنیاد نہیں ہے اور ہمیں سنت کی اتباع کرتے ہوئے ایک صاع صدقہ فطر ادا کرنا چاہئے۔

کیا صدقہ فطر میں قیمت جوڑ کر نقد ادا کیا جاسکتا ہے؟ ائمہ ثلاثہ اس کو جائز نہیں کہتے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے صدقہ فطر میں درہم دینے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا یہ خلاف سنت ہے اور اندیشہ ہے کہ اس صورت میں ادا نہ ہو، ان سے کہا گیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ قیمت وصول کیا کرتے تھے؟ امام احمد نے فرمایا: لوگ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ترک کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں شخص کا یہ قول ہے جبکہ ابن عمر کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ اور یہ چیزیں صدقہ فطر کے لئے مقرر فرمائیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اس کے رسول کی۔ ہاں اضطراری صورت میں اس کا بدل دے سکتے ہیں۔

صدقہ فطر عید گاہ جانے سے پہلے ادا کرنا چاہئے، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: ان رسول اللہ ﷺ أمر بزکاة الفطر أن تؤدى قبل خروج الناس الى الصلاة. (بخاری و مسلم)

اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ زکوٰۃ الفطر کو لوگوں کے عید کی نماز کے لئے نکلنے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ لفظ مذکور ہے کہ: ”فمن أداها قبل الصلاة فهي زكاة مقبولة، ومن أداها بعد الصلاة فهي صدقة من الصدقات.“ (ابوداؤد، ابن ماجہ، حاکم) یعنی جو (عید کی) نماز سے پہلے اس کو ادا کر دے تو اس کی زکوٰۃ (فطر) مقبول ہوگی اور جو شخص نماز کے بعد ادا کرے گا تو اس کا یہ صدقہ، عام صدقہ میں شمار ہوگا۔ صدقہ فطر کی مقدار: ایک صاع (غلہ) ہے۔

(جو ۶۶۷۰ گرام تول کے حساب سے اور ۵۰/۲ لیٹر ناپ کے حساب سے ہوتا ہے)۔

صاع: ناپنے کا ایک پیمانہ مخروطی شکل کا ہوتا تھا، بہت پرانے زمانے سے رائج تھا، حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں اس کا ذکر موجود ہے، اور مدینہ منورہ میں جو صاع رائج تھا اللہ کے رسول ﷺ نے اسی کو معیار بتایا ہے۔ ایک صاع برابر چار مد کے ہوتا تھا، اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، مگر ایک مد کا پیمانہ کیا تھا؟ اس میں اختلاف ہے، اس لئے اس کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے تاکہ مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

احناف کے نزدیک ایک مد ۲ رطل کا مانا گیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک ایک صاع آٹھ رطل کا ہوتا تھا، فقہاء ثلاثہ کے ماننے والے یعنی مالکی، شافعی و حنبلی کے نزدیک ایک مد برابر (1 1/3) ایک رطل اور ایک تہائی رطل کا ہوتا تھا، کیونکہ ان کے نزدیک ایک صاع پانچ رطل اور ایک تہائی رطل بغدادی کا مانا گیا ہے۔

رطل: ایک آلہ کا نام ہے جس کا لغوی معنی ”ہاتھ سے اٹھا کر وزن معلوم کرنا“ ہے، رومی تہذیب کی ایجاد ہے اور اس کی بارہ کی تقسیم فرعونی نظام سے آئی ہے، جاہلیت کے زمانہ سے رطل سیال چیز کے ناپنے کے لئے مستعمل تھا اور وزن کے لئے بھی بولا جاتا تھا۔ اسلامی حکومتوں میں مختلف نوع کے رطل مستعمل تھے، جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں اس کا ذکر ملتا ہے، مثلاً: رطل

بغدادی، رطل دمشق، رطل مصری، رطل حلبی وغیرہ۔ لیکن شرعی امور میں رطل بغداد کو اہمیت حاصل رہی، یہ بارہ سے منقسم ہوتا تھا یعنی بارہ اوقیہ (ناپنے والا) کا ایک رطل ہوتا تھا۔ رطل کے وزن کے بارے میں بھی فقہاء میں اختلاف ہے، ان تمام اختلافات سے قطع نظر گرام میں جو رطل کا وزن متعین کیا گیا ہے وہ تقریباً (۴۰۸) گرام ہوتا ہے کیونکہ اوقیہ (ناپنے والا) کا وزن لگ بھگ (۳۴) گرام ہوتا ہے۔

تجربہ کے حساب سے درمیانی سائز کے ہاتھ کی ہتھیلی سے دونوں ہاتھ سے ایک لپ بھر کر اٹھایا جائے تو ایک رطل کے برابر ہوگا (اور تقریباً ساڑھے پانچ لپ کا ایک صاع کے برابر ہوتا ہے)۔

ایک رطل بغدادی کا وزن ۴۰۸ گرام کے برابر مانا گیا ہے۔

لہذا ائمہ ثلاثہ کے فیصلہ کے مطابق ایک صاع کا وزن:

$$2176 = 5 \frac{1}{3} \times 408 \text{ گرام ہوا۔}$$

اور یہی پیمائش متفقہ ہے۔

چنانچہ زبلی کی نصب الراية، بیہقی اور فقہ کی دیگر کتابوں میں یہ مشہور قصہ مذکور ہے کہ عباسی خلیفہ ہارون رشید (۱۳۶-۱۵۸ھ) اور ان کے ساتھ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد امام ابو یوسف رحمہ اللہ حج بیت اللہ کے لئے گئے تھے اور جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو امام مالک رحمہ اللہ کے ساتھ اجتماع ہوا، تو اس موقع پر امام ابو یوسف نے امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ سے صاع کے بارے میں استفسار کیا تو امام مالک نے فرمایا کہ یہ پانچ رطل اور ایک تہائی رطل کا ہوتا ہے، اس پر امام ابو یوسف نے انکار کیا کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ آٹھ رطل کا ہوتا تھا اس پر بحث ہوئی تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کا فیصلہ کل ہوگا، جب دوسرا دن آیا تو لگ بھگ پچاس شیوخ جو سب انصار اور مہاجرین کی اولاد سے تھے چادر میں اپنا اپنا صاع چھپا کر آئے، ہر شخص یہی بیان کرتا تھا کہ یہ صاع ہم کو اپنے باپ دادا سے ملا ہے اور اللہ کے نبی ﷺ کے سامنے وہ صدقہ فطر اسی سے ناپ کر دیا کرتے تھے، امام ابو یوسف کا بیان ہے کہ میں نے سب کو ناپا تو سب کو تقریباً پانچ رطل اور ایک تہائی رطل کے برابر پایا تو مجھے ایک مضبوط دلیل فراہم ہوگئی اور میں نے (اپنے استاد) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول سے رجوع کر لیا اور مدینہ والوں کی بات مان لی۔

صاع کے بارے میں یہ واضح رہنا چاہئے کہ یہ تولنے کا نہیں بلکہ ناپنے کا پیمانہ ہے، اور غلہ کی مختلف قسم کا وزن مختلف ہوتا ہے اس لئے علماء آج کل ڈھائی کیلو نصاب بتاتے ہیں جو احوط ہے اور اسی پر عمل کرنا چاہئے۔

تراویح یا تہجد یا قیام رمضان

(شیخ الحدیث) مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ

تراویح، تہجد، قیام رمضان تینوں ایک چیز ہے، ابن ماجہ میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ والی لمبی حدیث اس دعویٰ کی روشن دلیل ہے، اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ہم نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے آپ نے آخر دہے کی تین راتوں میں ہمارے ساتھ (تراویح کی) نماز (قیام لیل) اس طرح پڑھائی۔ پہلی رات میں اول شب میں ادا کی یہاں تک کہ تہائی رات گزر گئی اور دوسری رات میں نصف شب تک پڑھائی ہم نے بقیہ نصف شب میں بھی پڑھنے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا جس نے امام کے ساتھ قیام کیا اس نے پوری شب کا قیام کیا۔ تیسری رات میں آپ نے آخر شب میں گھر والوں کو جمع کیا۔ اور سب کے ساتھ نماز (تراویح) پڑھی، یہاں تک کہ ہم کو ڈر ہوا کہ سحری کا وقت ختم نہ ہو جائے۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے تراویح کو رات کے تینوں حصوں میں ادا فرمایا ہے اور اس کا وقت عشاء کے بعد سے آخر رات تک اپنے عمل کے ذریعہ بتا دیا اب تہجد کے لئے کون سا وقت باقی رہا، پس تراویح اور تہجد کے ایک ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہا۔

”العرف الشذی“ (تقریر ترمذی از مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی) میں ہے لا مناص من ان تراویحہ علیہ السلام كانت ثمانية ولم یثبت فی روایة من الروایات انه علیہ السلام صلی التراويح والتہجد علی حدة فی رمضان الخ .

یعنی اس بات کے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی نماز تراویح آٹھ رکعت تھی اور کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت ﷺ نے نماز تراویح اور تہجد علیحدہ علیحدہ پڑھا۔ تراویح یا تہجد کا جماعت کے ساتھ یا تنہا مسجد میں یا گھر میں آخر رات میں پڑھنا افضل ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، والتی تنامون عنہا افضل من الی تقومون . تراویح آخر رات میں پڑھنا جس میں تم سو جاتے ہو اول رات میں پڑھنے سے افضل ہے مگر اس غفلت، حیلہ سازی، بہانہ جوئی، عذر تراشی کے زمانہ میں مسجد میں اول رات میں جماعت کے ساتھ تراویح ادا کی جائے ورنہ اکثر لوگ اس سے غافل ہو کر چھوڑ بیٹھیں گے اور کبھی پورے قرآن کی تلاوت تو درکنار اس کا سماع بھی نصیب نہیں ہوگا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں تراویح باجماعت مسجد میں اول شب میں ہوا کرتی تھی اور آپ نے بھی تین راتوں میں سے پہلی رات میں اول شب میں ادا فرمائی تھی۔

تعداد رکعات تراویح

تراویح کے بارے میں سلف کے مختلف اقوال ہیں، چالیس، چھتیس، چونتیس، اٹھائیس، چوبیس، اڑتیس، بیس، آٹھ۔ ان اقوال کو یعنی وغیرہ نے بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ ان مختلف اقوال سے اس دعویٰ کی حقیقت واضح ہوگئی کہ بیس رکعت پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اجماع ہو گیا تھا، ان اقوال مختلفہ میں پچھلا قول یعنی آٹھ رکعت اور وتر کو شامل کر کے کل گیارہ رکعت یہی صحیح ہے اور سنت کے مطابق، اور اس کے علاوہ کوئی قول سنت کے موافق نہیں ہے، ہاں اگر کوئی آٹھ رکعت سے زیادہ پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے چاہے بیس پڑھے یا چوبیس یا اٹھائیس یا چونتیس، یا چالیس یا چھتیس، آٹھ کے بعد سب تعداد برابر ہے، بیس کی کوئی خصوصیت نہیں ہے جیسا کہ آج کل سمجھا جاتا ہے، اور نہ یہ سنت عمری ہے بلکہ حضرت عمرؓ نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں کل گیارہ ہی رکعت پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

دلائل گیارہ رکعت تراویح مع وتر

(۱) عن ابی سلمة بن عبد الرحمن انه سأل عائشة كيف كانت صلوة رسول الله ﷺ في رمضان فقالت ما كان يزيد في رمضان ولا في غيره على احدى عشر ركعة (صحيحين) یعنی رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں تراویح (تہجد) گیارہ رکعت سے زائد نہیں پڑھتے تھے۔

(۲) عن جابر قال صلی بنا رسول الله ﷺ في شهر رمضان ثمان ركعات واوتر. (طبرانی، محمد بن نصر، ابن خزيمة، ابن حبان) یعنی آنحضرت ﷺ نے ہم کو رمضان کے مہینہ میں آٹھ رکعت تراویح پڑھائی پھر وتر پڑھا۔

(۳) عن جابر انه قال جاء ابی بن كعب الی رسول الله ﷺ فقال یا رسول الله انه كان منی اللیلة شیء قال وما ذاك یا ابی قال نسوة فی داری قلن انا لا نقرأ القرآن فنصلی بصلوتك قال فصلیت بهن ثمان ركعات واوترت فكانت سنة الرضا ولم یقل شیئا. (اخرجه ابو یعلی. قال الهیثمی فی مجمع الزوائد اسنادہ حسن)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مجھ سے رات ایک کام سرزد ہو گیا، فرمایا کیا ہوا؟ عرض کیا میرے گھر چند عورتوں نے کہا کہ ہم قرآن نہیں پڑھتیں، یعنی زیادہ یاد نہیں رکھتیں، تمہارے ساتھ نماز پڑھیں گی اور قرآن سنیں گی، پس میں نے ان کو آٹھ رکعت تراویح پڑھائی اور وتر ادا کیا، آپ خاموش رہے اور یہ سنت رضا ہوگئی۔

(۴) عن السائب بن یزید انه قال امر عمر بن الخطاب ابی بن كعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدى عشر ركعة الحدیث (اخرجه مالك فی الموطا وسعيد بن منصور و ابو بكر بن ابی شیبة قال النیموی

فی آثار السنن اسنادہ صحیح)

حضرت عمر بن خطابؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا۔
بیس رکعت والی کوئی روایت اور اتر صحیح طور سے ثابت نہیں ہے، کما حقہ شیخنا فی شرح الترمذی فلیرجع
الیہ من شاء، علامہ ابن الہمام حنفی اور مولانا عبدالحق دہلوی مولانا عبدالحق حنفی اور دیگر علماء حنفیہ نے بھی بیس رکعت والی
مرفوع روایت کو ضعیف بتایا ہے اور گیارہ رکعت کو سنت اور اصل قرار دیا ہے۔

لیلة القدر

شب قدر وہ مبارک رات ہے جس میں خدا کا کلام نازل ہونا شروع ہوا، عزت و حرمت کی رات ہے جو ہزار مہینہ
سے بہتر ہے، امن و سلامتی کی رات ہے جس میں عالم کے لئے امن و سلامتی کا پیغام اترا وہ برکت والی رات ہے جس میں
برکات ربانی، رحمتہائے آسمانی کی ہم پر سب سے پہلے بارش ہوئی۔

انا انزلناہ فی لیلة القدر وما ادراك ما لیلة القدر، لیلة القدر خیر من الف شهر، تنزل الملائكة والروح
فیہا باذن ربہم من کل امر سلام ہی حتی مطلع الفجر. (قرآن کریم)
ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے تمہیں کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے وہ ہزار مہینہ سے بھی بہتر ہے اس میں فرشتے
اور روح الامین جبرئیلؑ اپنے رب کے حکم سے امن اور سلامتی لیکر اترتے ہیں جو طلوع فجر تک قائم رہتی ہے۔
انا انزلناہ فی لیلة مبارکة انا کنا منذرین، فیہا یفرق کل امر حکیم، امرا من عندنا انا کنا مرسلین،
رحمة من ربک انه هو السميع العليم. (قرآن کریم)

من قام لیلة القدر ایمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه. (صحیحین)
جس نے شب قدر میں ایمان اور طلب ثواب کی نیت سے تراویح اور قیام کیا اس کے اگلے گناہ معاف کر دیئے جائیں
گے پس ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اس رات میں رحمت الہی کا طلبگار ہو اور رحیم و کریم کے سامنے سر نیاز جھکا دے اور خشوع
و خضوع سے یہ دعا پڑھے: اللہم انک عفو تحب العفو فاعف عنی، اے اللہ تو بڑا معاف کرنے والا ہے درگزر کرنے کو
پسند کرتا ہے پس میرے گناہوں سے درگزر فرما۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے عرض کیا اگر میں شب قدر پاؤں تو کیا پڑھوں؟ آپ نے ان کو یہی دعا
سکھائی (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

شب قدر رمضان کے آخر عشرہ میں پانچ طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے پس ہر مسلمان کو چاہئے کہ
رمضان کے آخر دہے کی راتوں میں خصوصیت اور غایت اہتمام کے ساتھ تسبیح و تقدیس، تکبیر و تہلیل، استغفار و ذکر الہی تلاوت
قرآن، نفل نمازوں میں مشغول رہے اور طاق راتوں میں شب قدر کی جستجو کرے کہ اس ایک رات کی عبادت ہزار رات کی

عبادت سے بڑھ کر ہے۔

اعتکاف

عبادت الہی کی نیت سے مسجد میں اپنے کو مقید کرنا اعتکاف ہے اور یہ سنت موکدہ ہے۔

عن عائشة قالت کان رسول اللہ یعتکف العشر الاواخر من رمضان حتی توفاه اللہ عز وجل ثم

اعتکف ازواجہ من بعدہ . (صحیحین)

یعنی آپ ہمیشہ رمضان کے آخر دہے میں اعتکاف کیا کرتے تھے تا آنکہ اللہ نے آپ کو وفات دے دی آپ کے بعد آپ کی ازواج اعتکاف کرتی رہیں۔

اعتکاف کرنے والا چونکہ قرب الہی کی طلب میں اپنے کو خدا کی عبادت کے لئے وقف کر دیتا ہے، اور دنیا کے تمام مشاغل سے دور ہو جاتا ہے اس لئے ان اشخاص کے مشابہ ہے جن کے بارے میں ارشاد الہی ہے:

لا یعصون اللہ ما امرہم ویفعلون ما یومرون - اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو کچھ حکم دیا جاتا ہے کرتے ہیں، یسبحون اللیل والنہار لا یفترون ، رات دن پاکی بیان کرتے ہیں اور سستی نہیں کرتے۔ الذین یدکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبہم - اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور پہلوؤں پر لیٹے ہوئے یاد کرتے ہیں اور ذکر خدا میں مشغول رہتے ہیں۔ الذین اذا ذکروا بہا خرّوا سجدا وسبحوا بحمد ربہم وہم لا یستکبرون تتحافی جنوبہم عن المضاجع یدعون ربہم خوفا وطمعا ومما رزقناہم ینفقون ، نیز رجال لا تلہیہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ۔ ان کی حالت یہ ہے کہ جب آیات قرآنیہ کے ساتھ ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور حمد الہی کے ساتھ رب کی پاکی بیان کرتے ہیں، ان کے پہلو ان کی خوابگا ہوں سے دور رہتے ہیں امید و بیم کی حالت میں اپنے رب سے دعائیں کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے سے خرچ کرتے ہیں، اللہ کی یاد سے خرید و فروخت ان کو غافل نہیں کرتی۔

عن عائشة ان النبی ﷺ کان اذا دخل العشر الاواخر احمیا لیلہ وایقظ اہلہ وشد مئزرہ (صحیحین)

وعنها قالت کان رسول اللہ ﷺ یجتہد فی العشر الاواخر ما لا یجتہد فی غیرہ (مسلم) .

ایک دن یا ایک رات یا اس سے زیادہ جتنے دن چاہے اعتکاف کر سکتا ہے مگر رمضان کے پورے آخری عشرہ کا اعتکاف سنت موکدہ ہے، پس جو شخص پورے عشرہ کا اعتکاف کرنا چاہتا ہو، بیسویں رمضان کو دن کے آخر حصہ میں آفتاب غروب ہونے سے کچھ پہلے مسجد میں پہنچ جائے، اور اکیسویں تاریخ کی رات مسجد میں گزارے اور مسجد کے جس گوشہ میں اس کے لئے اعتکاف کی جگہ متعین کی گئی ہے، صبح کی نماز سے فارغ ہو کر اس جائے معینہ کو اعتکاف کے لئے اختیار کر لے۔

اعتکاف مرد عورت اور نابالغ بھی کر سکتے ہیں مگر عورت کو اپنے شوہر کی اجازت حاصل کرنی ضروری ہے، اعتکاف

اپنے شوہر یا قصبہ کی جامع مسجد میں کرنا چاہئے۔ وهو مختار شیخنا العلامة الاجل الشیخ عبد الرحمن المبارکفوری

رحمہ اللہ تعالیٰ کما صرح بہ فی شرح الترمذی . عورت بھی مسجد میں اعتکاف کر سکتی ہے (جیسا کہ ازواج مطہرات مسجد نبوی میں معتکف ہوئی تھیں) مگر اس کے لئے اس کے شوہر یا ذی محرم کی ضرورت ہے، زمانہ کے خراب اور پرفتن ہونے کی وجہ سے علماء حنفیہ کے نزدیک عورت کا مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ ہے ان کے نزدیک اس کو اپنے گھر کی مسجد میں یا گھر کی کسی مخصوص جگہ میں اعتکاف کرنا چاہئے۔

کن امور سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا اور وہ جائز ہیں

مسجد گر جانے یا زبردستی مسجد سے نکال دیئے جانے یا جان و مال کے خوف سے مسجد سے باہر نکل جانا بشرطیکہ دوسری مسجد میں فوراً چلا جائے، مسجد میں کسی دوسرے کو ضرورت کے وقت خرید و فروخت کی ہدایت کرنا، نکاح کرنا، عمدہ لباس پہننا، سر میں تیل لگانا، خوشبو استعمال کرنا، کوئی دوسرا کھانا لانے والا نہیں ہے اس لئے خود گھر جا کر کھانا لانا، پیشاب، پاخانہ کے لئے قریب سے قریب جگہ جانا، غسل جنابت کے لئے مسجد سے باہر جانا، بعض روایتوں سے جامع مسجد کے علاوہ دوسری ایسی مسجد میں جہاں جماعت کے ساتھ پنجگانہ نماز ہوتی ہو، اعتکاف کرنے کا جواز نکلتا ہے اس لئے جامع مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے اس قدر پہلے جا سکتا ہے کہ خطبہ سے پہلے چار رکعت پڑھ سکے اور نماز فرض کے بعد اس قدر ٹھہر سکتا ہے کہ چار یا چھ رکعت سنت پڑھ سکے۔

ممنوعات اعتکاف

۱- بیوی سے بوس و کنار اور صحبت کرنا، ولا تباشروهن وأنتم عاکفون فی المساجد۔ مسجدوں میں اعتکاف کی حالت میں بیویوں سے مباشرت وغیرہ نہ کرو۔

۲- جنازہ اٹھانے یا جنازہ کی نماز پڑھنے کے واسطے یا بیمار کی عیادت اور تیمارداری کے لیے مسجد سے نکلنا، ہاں اگر قضائے حاجت کے لیے معتکف مسجد سے باہر گیا اور راستہ میں کوئی بیمار مل گیا تو اس سے چلتے چلتے حال پوچھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن عائشة قالت: السنة علی المعتکف أن لا یعود مریضا ولا یشہد جنازة ولا یمس امرأة ولا یباشرها ولا یخرج لحاجة الا لما لا بد منه۔ (ابوداؤد)

معتکف کے لیے سنت یہ ہے کہ کسی بیمار کی عیادت نہ کرے اور نہ جنازے میں حاضر ہو اور نہ عورت کو چھوئے اور نہ مباشرت و جماع کرے اور پیشاب پاخانے کی حاجت کے علاوہ کسی اور ضرورت و حاجت سے نہ نکلے۔

زکوٰۃ کے مسائل

مولانا اسعد اعظمی / استاذ جامعہ سلفیہ

زکوٰۃ دین اسلام کا تیسرا رکن، اسلام کا مخصوص شعار اور چوتھی اہم ترین عبادت ہے، قرآن کی نظر میں زکوٰۃ دینا مسلمانوں کی امتیازی شان اور حق پرستوں اور نیکو کاروں کا خاص شعار ہے، جبکہ زکوٰۃ نہ دینا مشرکوں اور منافقوں کا شیوہ ہے، زکوٰۃ ایمان کی کسوٹی اور اخلاص و صداقت کی نشانی ہے۔

قرآن جہاں زکوٰۃ دینے والوں کے لئے خیر و برکت اور اجر و ثواب کا وعدہ کرتا ہے وہیں غریبوں کی حق تلفی کرنے اور اپنی تجوریاں بھرنے والوں کے لئے ہولناک اور سخت ترین وعیدوں کا اعلان بھی کرتا ہے۔ کتاب و سنت کی نصوص میں زکوٰۃ کے احکام و مسائل کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے، اسی روشنی میں ایک مسلمان اپنے مال و اسباب کا حساب لگاتا ہے اور فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی کرتا ہے۔ اس مختصر تحریر میں زکوٰۃ سے متعلق بکثرت پیش آنے والے مسائل، بالخصوص کرنسی نوٹوں اور تجارتی سامانوں کے تعلق سے کچھ ضروری معلومات اکٹھا کر دی گئی ہیں جن کے سلسلے میں عام طور سے لوگ تذبذب اور الجھن کا شکار رہا کرتے ہیں۔

نصاب

سونے، چاندی اور روپے پیسے میں اس وقت زکوٰۃ فرض ہوتی ہے جب کہ وہ نصاب کو پہنچ جائیں، اور ان پر حوالان حول ہو چکا ہو (یعنی جس روز سے آدمی نصاب کا مالک ہوا ہے اس روز سے ایک سال کی مدت گزر چکی ہو)۔ ”نصاب“ سے مراد یہ ہے کہ مال اتنی مقدار میں ہو جس پر شریعت نے زکوٰۃ فرض کیا ہے، اور وہ حسب ذیل ہے:

(۱) چاندی: چاندی کا نصاب بموجب حدیث رسول ۲۰۰ درہم ہے، عصر حاضر میں رائج پیمانے کے اعتبار سے ایک درہم کا وزن ۲.۹۷۵ گرام بتایا گیا ہے۔

اس حساب سے ۲۰۰ درہم کا وزن $(= 200 \times 2.975) = 595$ گرام چاندی قرار پائے گا۔ اب اگر کسی شخص کے پاس ۵۹۵ گرام یا اس سے زائد خالص چاندی ہو اور اس پر سال گزر چکا ہو تو اس پر ڈھائی فیصد یعنی چالیسواں حصہ زکوٰۃ نکالے گا۔ مثلاً اگر خالص چاندی کا دام بازار میں $= 8000$ روپیہ کیلو ہے تو ۵۹۵ گرام چاندی کا دام $(= 595 \times 8) = 4760$ روپیہ ہوا، اور اس پر ڈھائی فیصد یعنی $= 119$ روپیہ زکوٰۃ ہوئی۔

(۲) سونا: سونے کا نصاب ۲۰ دینار یا مثقال ہے، تحقیق کے مطابق ایک دینار کا وزن ۴.۲۵ گرام بتایا جاتا ہے، اس حساب سے ۲۰ دینار کا وزن $(= 20 \times 4.25) = 85$ گرام سونا قرار پائے گا۔

اب اگر کسی شخص کے پاس ۸۵ گرام یا اس سے زائد خالص سونا ہو اور اس پر سال گزر چکا ہو تو اس پر ڈھائی فیصد یعنی

چالیسواں حصہ زکوٰۃ ہوگی۔

مثال کے طور پر اگر خالص سونے کا دام بازار میں =/۴۵۰ روپیہ فی گرام ہے تو ۸۵ گرام سونے کا دام (بحساب
=/۳۸۲۵۰ روپیہ ہو، اب اس پر ڈھائی فیصد یعنی ۹۵۶۲۵ روپیہ زکوٰۃ ہوئی۔

(۳) کرنسی نوٹ: آج کے دور میں کاروبار اور لین دین وغیرہ میں کرنسی نوٹوں کا رواج عام ہے، روپیہ، پونڈ، ڈالر،
ریال اور بہت ساری کرنسیاں رائج ہیں، سونے کے دینار اور چاندی کے درہم کے بدل کے طور پر یہ کرنسیاں استعمال ہوتی
ہیں، ان کرنسیوں کا سونے یا چاندی کی قیمت سے موازنہ کیا جائے گا، پس اگر بقدر نصاب ہوں تو بتفصیل مذکور ان کرنسیوں کی
بھی زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

تنبیہ: واضح رہے کہ اس وقت سونا اور چاندی کے دام میں کافی تفاوت ہے، جیسا کہ اوپر کی مثالوں میں آپ نے
ملاحظہ کیا ہوگا کہ چاندی کا نصاب (آٹھ ہزار روپیہ فی کلوگرام ہے تو) =/۴۷۶۰ روپیہ ہوتا ہے، جبکہ سونے کا نصاب (اگر
=/۴۵۰ روپیہ فی گرام ہے تو) =/۳۸۲۵۰ روپیہ ہوتا ہے۔

ایسی صورت میں جمع کردہ روپے نصاب کو کب پہنچیں گے =/۴۷۶۰ پر یا =/۳۸۲۵۰ پر؟

اس سلسلے میں اہل علم کے دونوں طرح کے اقوال ملتے ہیں، کچھ لوگوں نے کاغذی نوٹوں کے نصاب کے سلسلے میں
سونے کے نصاب کو اصل قرار دیا ہے، لیکن اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ چونکہ چاندی کا نصاب متفق علیہ اور ثابت بالسنتہ
المشہورہ ہے اور اس کو اختیار کرنے سے فقیروں اور محتاجوں کی ضرورت پوری کرنے میں زیادہ مدد ملے گی، ساتھ ہی ساتھ احتیاط
کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اختلاف اور شک و شبہ سے بچتے ہوئے چاندی کے نصاب کو اصل مانا جائے، یا وقت اور زمانے کا لحاظ
کرتے ہوئے یہ کاغذی نوٹ، سونے اور چاندی میں سے جس نصاب کو پہلے پہنچ جائیں ان کی زکوٰۃ نکالی جائے۔

(۴) سامان تجارت: تجارتی مقاصد سے جمع کئے ہوئے سامانوں میں بھی نصاب کو پہنچنے اور حوالان حول (سال
گزرنے) پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ موجودہ دور میں اس جانب سے بڑی غفلت ہے، اور عام طور پر دوکاندار حضرات اس
طرف توجہ نہیں دیتے۔

تجارتی سامانوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دوکاندار اپنی پونجی کا تخمینہ لگائے اور دوکان یا اور جہاں بھی دوکان
کا سامان ہے اس کی قیمت لگائے، اگر یہ قیمت نصاب کو پہنچتی ہے تو سال پورا ہونے پر اس میں ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کرے۔
لہذا ہر دوکاندار کو چاہئے کہ سال میں ایک بار بالتفصیل اپنی دوکان کا حساب کرے اور اپنے پاس موجود سامان تجارت
کی مالیت مقرر کر کے اس کو نوٹ کر لے اور پھر سال پورا ہونے کے بعد (اگر نصاب میں ہے تو) اس میں ڈھائی فیصد زکوٰۃ
نکالے۔

دوکانداری کا معاملہ بڑا پُر پیچ ہوتا ہے۔ نقد، ادھار، بقایا اور اس طرح کے دسیوں مسائل درپیش ہوتے ہیں جن کی وجہ

سے دوکان کی مالیت کا اندازہ لگانے میں کافی دشواری پیش آتی ہے۔
 مولانا عبداللہ سعید سلفی (ناظم جامعہ سلفیہ بنارس) نے ان مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے بڑی عمدہ تحقیق فرمائی ہے اور دوکانداروں کے مسائل کو بڑی حد تک عمل کے لئے آسان بنا دیا ہے، ذیل میں ان کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں:
 ”تجارت میں اپنی اصل پونجی یا سرمایہ پر ہی زکوٰۃ ہے، آج کل کاروبار ادھار لین دین پر بھی چلتا ہے، جس کی وجہ سے دوسرے کی رقم بھی اپنے سرمایہ کے ساتھ کاروبار میں لگی ہوتی ہے، اس کو الگ کرنے کے بعد جو اپنی خاص اصل رقم ہو اسی پر زکوٰۃ ہے۔

مثلاً: آپ نے کچھ روپے سے کاروبار شروع کیا، اس سے کچھ مال خریدا اور کچھ ادھار لیا، اور گاہک کو مال بیچ دیا، گاہک سے آپ کو کچھ پیمنٹ ملا اس سے پھر مال خریدا اور پھر کسی کو بیچا، اس طرح سے کاروبار چلتا ہے، ایک سال بعد جب زکوٰۃ نکالنے کا وقت آیا تو اب مسئلہ پیدا ہوا کہ کتنی زکوٰۃ ہونی چاہئے، اور اس کو کیسے نکالا جائے۔
 تو آئیے ذرا جوڑا جائے، مندرجہ ذیل باتیں دھیان میں رکھنی ہوں گی۔

(۱) آپ کے پاس کچھ اسٹاک ہے۔ مثلاً: (اس کی قیمت ہے) Rs.10,000/-

(۲) گاہک کو مال بیچا ہے اس کا پیسہ ابھی ملنا باقی ہے مثلاً: Rs.1,70,000/-

(۳) دوسرے سے مال خریدا ہے اس کو پیسہ دینا باقی ہے مثلاً: Rs.1,00,000/-

(۴) آپ کے پاس کچھ نقد موجود ہے۔ مثلاً: Rs.2000/-

(۵) کچھ بینک بیننس ہے مثلاً: Rs.10,000/-

(۶) کچھ پیمنٹ میں ملی چک ہے جس کا وقت ابھی نہیں آیا ہے۔ مثلاً: Rs.25000/-

(۷) کچھ رقم کسی کو ادھار دی ہے جو ملنی باقی ہے، مثلاً: Rs.5000/-

(۸) کچھ مال خراب ہو گیا اس کے بکنے کی امید نہیں مثلاً: Rs.30000/-

(۹) کچھ مال خراب ہو گیا ہے جو کم دام میں بکے گا، مثلاً: Rs.1000/-

چار ہزار کا ۲۵٪ میں

(۱۰) کچھ گاہک بے ایمان ہو گئے، رقم ڈوبنے کا خطرہ ہے، مثلاً: Rs.10,000/-

(۱۱) کچھ دوسرے کی رقم بھی اپنے کاروبار میں لگا رکھی ہے، مثلاً: Rs.40,000/-

(۱۲) کچھ اپنی رقم دوسری جگہ بھی انوسٹ کر رکھا ہے، مثلاً: Rs.30,000/-

مندرجہ بالا تمام کاروباری چیزوں کو اور نقد وغیرہ کو دو حصہ میں بانٹا جائے گا، ایک لینا یعنی جو ہم کو ملنا ہے یا ہمارا ہے۔

دوسرا دینا جو دوسرے کا ہے یا ملنے کی امید نہیں۔ آگے مذکورہ سیریل نمبر کے مطابق لکھ رہا ہوں تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

دینا	لینا
(۳) دوسرے کا دینا: 100,000/-	(۱) اسٹاک: 10,000/-
(۸) ڈیڈ اسٹاک نہیں کئے گا: 30,000/-	(۲) گراہک سے لینا ہے: 1,70,000/-
(۱۰) گاہک کے یہاں پھنس گیا: 10,000/-	(۳) نقد موجود: 2,000/-
(۱۱) دوسرے کی رقم جو اپنے کاروبار میں لگی ہے: 40,000/-	(۵) بینک بیلنس: 10,000/-
ٹوٹل دینا: 1,80,000/-	(۶) پوسٹ ڈیٹیڈ چیک: 25,000/-
	(۷) رقم ادھار دی ہے: 5,000/-
	(۹) چار ہزار روپیہ کا خراب مال چوتھائی میں بٹے گا: 1000/-
	(۱۲) رقم جو دوسری جگہ لگی ہے: 30,000/-
	ٹوٹل لینا: 2,53,000/-
	دینا کی رقم کم کیا: (-) 1,80,000/-
	کل اپنی اصل رقم ہوئی: 73,000/-

جس پر 2% = 1825/- روپیہ زکوٰۃ ہوئی

جو رقم گاہک کے یہاں پھنس گئی ہے اگر دو تین سال بعد مل جائے تو اس سال کی زکوٰۃ نکالتے وقت اس کو اپنے سرمایہ میں شامل کر کے اسی سال کی زکوٰۃ دیں گے، وقفہ کے سال کی زکوٰۃ نہیں ہونی چاہئے کیونکہ ہمارے اختیار میں نہیں تھی۔

مصارف زکوٰۃ:

زکوٰۃ کن کن لوگوں کو دی جائے گی اس کو قرآن میں صراحت سے بیان کر دیا گیا ہے، سورہ توبہ کی آیت نمبر ۶۰ میں کہا گیا ہے: ”صدقات (زکوٰۃ) (۱) فقیروں کے لئے ہے، (۲) مسکینوں کے لئے ہے اور (۳) ان لوگوں کے لئے ہے جو زکوٰۃ کی بابت کام کرتے ہیں (مثلاً وصول کرنا، اسے لکھنا پڑھنا یا اس کی حفاظت و تقسیم وغیرہ کا کام) اور (۴) ان لوگوں کے لئے جن کے دل کو ڈھارس بندھانی ہو (مثلاً نو مسلم یا وہ کافر جس کو اسلام کی طرف مائل کرنا مقصود ہو) اور (زکوٰۃ صرف کی جائے گی (۵) گردن آزاد کرانے میں، اور (۶) قرض دار کے قرض ادا کرانے میں، اور (۷) اللہ کے راستہ میں، اور (۸) مسافر کی مصیبت دور کرنے) کے لئے۔ یہ اللہ کی طرف سے باندھا ہوا فریضہ ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ (سورہ توبہ، آیت نمبر: ۶۰)

مصارف زکوٰۃ کے سلسلے میں چند امور قابل توجہ ہیں:

۱- زکوٰۃ کے اولین حقدار وہ ہیں کے لوگ ہیں جہاں کی زکوٰۃ ہے، البتہ اگر وہاں کی ضرورت سے زائد ہو یا یہ کہ دوسری جگہ کے لوگوں کو کوئی سخت ضرورت پیش آجائے مثلاً قحط سالی اور بھک مری وغیرہ تو ایسی صورت میں اسے ان دوسرے علاقوں

میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔

۲- اپنے اعزہ و اقرباء اگر زکوٰۃ کے مستحق ہیں تو صدقہ، خیرات و زکوٰۃ میں سب سے پہلے ان ہی کا حق ہے اور اس طرح صدقہ کرنے والوں کو دوسرے ثواب کی بشارت دی گئی ہے ایک صدقہ کا ثواب دوسرے صلہ رحمی کا۔

۳- البتہ زکوٰۃ ان رشتہ داروں کو نہیں دے سکتے جن کی کفالت کی ذمہ داری خود زکوٰۃ دینے والے پر ہے جیسے اولاد، بیوی، والدین۔

۴- غیر مسلم کو زکوٰۃ کا مال نہیں دیا جائے گا الا یہ کہ وہ ’مولفۃ القلوب‘ میں سے ہو یعنی اسے اسلام کی طرف راغب کرنا ہو۔

۵- اگر شوہر فقیر ہو تو بیوی اپنے مال کی زکوٰۃ شوہر کو دے سکتی ہے۔

۶- اگر کسی شخص نے کسی آدمی کو مستحق سمجھ کر اسے زکوٰۃ دے دیا اور اسے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مستحق نہیں تھا تو وہ اپنے فرض سے سبکدوش ہو گیا، البتہ زکوٰۃ دینے سے پہلے معلومات کر لینی چاہئے۔

۷- اگر کسی مسلمان کا کسی غریب شخص پر قرض ہو تو یہ جائز نہیں کہ اسے زکوٰۃ میں شمار کر کے اسے قرض سے بری کر دے۔

قرض

اگر کسی شخص کا مال دوسروں کے پاس بطور قرض کے ہو خواہ وہ نقد ہو یا سامان تجارت کی شکل میں، تو ایسا شخص اپنے پاس موجودہ مال کی زکوٰۃ نکالتے وقت دیکھے گا کہ دوسروں کے ذمہ اس کا جو قرض ہے اس کے ملنے کی امید ہے یا نہیں۔ اگر امید ہو تو اس قرض کو شمار کر کے اپنے پاس موجودہ مال یا سامان تجارت میں شامل کر لے گا اور کل کی زکوٰۃ نکالے گا۔

لیکن اگر اس کا قرض ایسی جگہ ہے جہاں سے ملنے کی امید کم ہے مثلاً ایسے شخص کے یہاں ہے جو اس کا انکار کر رہا ہے، یا انکار نہیں کر رہا ہے مگر اس قدر مفلوک الحال ہے کہ اس سے قرض ادا کرنے کی توقع نہیں ہے تو ایسے قرض کی زکوٰۃ اس روز ادا کرے گا جب وہ اس کے ہاتھ میں آجائے اور کئی سال بعد ملنے پر بھی صرف ایک سال کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

رمضان المبارک میں کی جانے والی بعض غلطیاں

انوار الحق بن محی الدین سلفی

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كَتَبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كَتَبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾
 ”اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تم متقی بن جاؤ۔“
 خالق کائنات نے نفس انسانی کی تہذیب و تربیت کی غرض سے اس بابرکت اور باسعادت ماہ کا انتظام فرمایا ہے، تاکہ لوگ اپنے نفس کا محاسبہ کر کے اس کی خامیوں کو دور کر لیں اور نیکیوں کے عادی بن جائیں، مگر بعض لوگ ایسے ہیں جو اپنے معمول کی زندگی میں کوئی بہتری نہیں لاتے، بلکہ اس ماہ کے اندر بھی بہت سی غلطیاں کر بیٹھتے ہیں، جو جہاں دیگر عبادتوں کو متاثر کرتی ہیں وہیں اس ماہ مبارک کی مہتم بالشان عبادت ”روزہ“ کو بھی متاثر کر دیتی ہیں، ذیل میں مختصراً ان میں سے بعض غلطیوں کی نشاندہی کی جا رہی ہے تاکہ لوگ ان کی اصلاح پر توجہ دیں۔

۱- عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ بہت سارے لوگ روزہ تو رکھتے ہیں مگر اس ماہ میں بھی پنج وقتہ نمازوں کا اہتمام نہیں کرتے، جبکہ قرآن وحدیث کے اندر نماز کی پابندی نہ کرنے والوں کی بڑی مذمت بیان کی گئی ہے، اور اسے کافر تک گردانا گیا ہے۔
 ۲- روزہ کا مقصد عظیم یہ ہے کہ آدمی متقی اور پرہیزگار بن جائے، اور یہ مقصد فقط مخصوص وقت میں کھانے پینے اور شہوت وغیرہ سے باز رہنے سے ہی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور ایسا روزہ جس سے یہ مقصد حاصل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تم میں سے جو شخص جھوٹ بات اور بیہودہ عمل کرنا نہ چھوڑے، تو اس کے کھانے پینے کو چھوڑ دینے کی اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ (بخاری و مسلم)

چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ صحیح روزہ کے اندر وہ تاثیر ہوتی ہے جو روزہ دار کو تمام معصیت کے کاموں سے روک دیتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”روزہ ڈھال ہے، پس جب تم میں سے کوئی روزہ رکھے وہ لغو اور بیہودہ بات نہ کہے...“ (بخاری و مسلم)
 ڈھال کے معنی معصیت سے بچانے والا، اس کے باوجود بھی بہت سے لوگ روزہ کی حالت میں بھی ان محرمات سے نہیں بچتے، اور ظلم و ستم، بغض و عناد، کینہ کپٹ، عداوت و دشمنی، غیبت و چغلی اور فضول بکواس و زبان درازی میں لگے رہتے ہیں۔

۳- بہت سارے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ اس مہینہ کے آغاز میں نماز، قرآن مجید کی تلاوت اور صدقات و خیرات کا تو بڑا اہتمام کرتے ہیں، لیکن جیسے جیسے دن گذرتا جاتا ہے، ان کے یہ تمام جذبے بالکل سرد پڑتے چلے جاتے ہیں، حالانکہ اس تدریب نفس والے مہینہ کا فائدہ تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ تمام عبادات میں زیادہ سے زیادہ نکھار پیدا ہو، نیکیوں کا صالح اور پائیدار جذبہ ذہن و دماغ میں موجزن ہو اور تقویٰ شعاری کی تڑپ زیادہ سے زیادہ دل میں پیدا ہو، آپ ﷺ نے فرمایا:

”عملوں میں سب سے بہتر وہ عمل ہے جس پر مداومت برتی جائے اگر چہ وہ تھوڑا ہو۔“ (بخاری و مسلم)

۴- یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ بہت سارے لوگ روزہ کے احکام و آداب سے ناواقفیت کی بنیاد پر روزہ کے بعض منافی کاموں کو کر بیٹھتے ہیں، جن سے ان کا روزہ متاثر ہو جاتا ہے، اور اس کا اجر و ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔

۵- اس ماہ مبارک میں بعض لوگ دن کے اکثر اوقات سو کر گزار دیتے ہیں، اس طرح وہ بہت ساری بھلائیوں کے حصول سے محروم رہ جاتے ہیں، اسی پر بس نہیں بلکہ بعض روزہ دار روزہ کی حالت میں ٹی وی، ویڈیو اور فلم دیکھنے میں لگے رہتے ہیں، جس میں بے پردہ اور برہنہ عورت کی تصویریں موجود رہتی ہیں، نیز شریعت منافی مناظر بھی ہوتے ہیں، اور بعض روزہ دار کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ دن بھر کھیل، تماشہ میں لگے رہتے ہیں، بعض تاش کھیلنے میں مصروف رہتے ہیں اور بعض بیہودہ گپ شپ اور فضول بکواس میں اپنے قیمتی اوقات کو ضائع کر دیتے ہیں، بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض لوگ گپ بازی میں غیبت اور چغلی کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں، اسی طرح کچھ روزہ دار ناچ گانے، رقص و سرور اور سیر سپاٹے میں اپنے قیمتی اوقات کو کاٹ دیتے ہیں، حد تو یہ ہے کہ بعض روزہ دار عام شاہراہوں اور بازاروں میں بیٹھ کر گزرنے والوں کے ساتھ چھیڑ خوانی کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

اسی طرح بہت ساری روزہ دار عورتیں اپنا یہ معمول بنا لیتی ہیں کہ وہ ظہر کے وقت تک سو تی رہتی ہیں، اور وہاں سے اٹھ کر سیدھے مطبخ کا رخ کرتی ہیں نیز مغرب تک اسی میں لگی رہتی ہیں۔

اگر اس ماہ مبارک کے قیمتی اوقات اسی طرح ضائع کئے جائیں تو یقیناً یہ انتہائی افسوسناک عمل ہے۔

۶- بعض روزہ دار رمضان کے مہینہ کو انواع و اقسام کے کھانے کا مہینہ سمجھ کر اس میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں، اور اسراف اور فضول خرچی کا ثبوت دیتے ہیں، جبکہ زیادہ کھانا تناول فرما کر آدمی عبادت کرنے میں سستی محسوس کرنے لگتا ہے، نیز نماز اور تلاوت وغیرہ بھی باضابطہ طور پر انجام نہیں دے پاتا اور دن بھر طبیعت بوجھل بنی رہتی ہے۔

۷- بہت سارے لوگ دیر رات تک جاگتے رہتے ہیں پھر جلد سحری کھا کر سو جاتے ہیں، اور عموماً فجر کی نماز وقت پر ادا نہیں کر پاتے، اسی طرح بعض لوگ افطار میں بھی تاخیر کرتے ہیں اور اس طرح نبی ﷺ کی سنت کی مخالفت کر بیٹھتے ہیں۔

رمضان المبارک قرآن کریم کا مہینہ ہے، اس لئے اس ماہ میں قرآن کریم کی تلاوت کثرت سے کرنی چاہئے اور اس کے معانی و مفہیم میں غور و فکر کرنا چاہئے، مگر بہت سارے لوگ قرآن مجید کی تلاوت تو کرتے ہیں لیکن اس کے معانی و مفہیم میں غور و فکر نہیں کرتے، جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ (محمد: ۱۴)

۸- والدین اس ماہ مبارک کے اندر اپنے بچوں کو خیر کی جانب اکسانے میں تساہلی برتتے ہیں، اور روزہ اور دوسری نیکیوں کا عادی نہیں بناتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آگے چل کر روزہ رکھنے اور دوسری عبادات میں کافی مشقت اور دشواری محسوس کرتے ہیں، جبکہ سلف صالحین کا یہ طریقہ تھا کہ وہ بچپن سے اپنے بچوں کو نیکیوں کی عادت ڈالتے تھے، چنانچہ حضرت معاذ بنت معوذ بیان کرتی ہیں کہ ہم بھی روزہ رکھتے اور ہمارے بچے بھی روزہ رکھتے تھے، اور ہم ان کے بہلانے کے لئے کچھ کھیل کا سامان رکھتے اور جب وہ روتے تو اسے دے کر بہلا دیتے، اس طرح روزہ افطار کا وقت ہو جاتا۔ (بخاری و مسلم)

صحابہ یہ محض اس لئے کرتے تھے تاکہ بچپن سے وہ ان چیزوں کا عادی ہو جائے، البتہ جوانوں کی طرح بچوں کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک روزہ رکھے، کیونکہ غیر مکلف ہے، بس استطاعت بھر عادت ڈالنے کے لئے روزہ رکھے۔

۹- بہت ساری لڑکیاں دس اور گیارہ سال کی عمر میں حائضہ ہو جاتی ہیں، جس کی وجہ سے اس پر بالغہ کے شرعی احکام نافذ ہوتے ہیں، لیکن اس کے باوجود اس کے اہل خانہ اس کو شریعت کے امور کا پابند نہیں بناتے، جو یقیناً قابل توجہ ہے۔

۱۰- روزہ کی نیت بہت سارے لوگ الفاظ کی ادائیگی کے ذریعہ کرتے ہیں، جس کا سنت مطہرہ میں کوئی ثبوت نہیں ہے، باوجودیکہ نیت عبادات کی صحت کے شرائط میں سے ہے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”انما الأعمال بالنیات“ (بخاری و مسلم) یعنی ”عملوں کا دار و مدار نیت پر ہے“۔

حقیقت امر یہ ہے کہ نیت کا مقام دل ہے، سحری کے لئے اٹھنا بس یہی روزہ کی نیت کے لئے کافی ہے، جس کا قصد و ارادہ سونے سے پہلے کر لینا چاہئے، اور پورے رمضان کے روزے کے لئے بس ایک دفعہ کا قصد کر لینا ہی کافی ہو جائے گا، الا یہ کہ کسی عوارض (بیماری اور سفر وغیرہ) کی وجہ سے روزہ افطار کرنا پڑے تو ایسی صورت میں بقیہ روزے کے لئے نیت کی تجدید کرنی پڑے گی۔

اختتام پر دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو اس ماہ مبارک میں خصوصاً اور دیگر ماہ میں عموماً اور پر بیان کردہ محاسن کو اپنانے کی توفیق دے، اور تمام کوتاہیوں، خامیوں اور غلطیوں کو سمجھ کر ان سے محفوظ رہنے کی توفیق دے، آمین۔



قارئین محدث کی خدمت میں

ماہنامہ ”محدث“ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس سے شائع ہونے والا جماعت اہل حدیث کا واحد رسالہ ہے جو مسلسل کئی دہائیوں سے دینی، اصلاحی اور علمی معلومات آپ تک پہنچا رہا ہے، اس رسالے کا مقصد ہی یہی ہے کہ عوام تک صحیح اور نکھر اہوا اسلام پہنچائے، ہم نے رسالے کے لیے ایسی پالیسی بنائی ہے کہ عوام و خواص سب یکساں طور پر اس سے مستفید ہو سکیں۔

کوئی بھی رسالہ ہوا اپنے قارئین کے تعاون کے بغیر کامیابی کے مراحل نہیں طے کر سکتا ہے، الحمد للہ رسالہ محدث کی مقبولیت میں برابر اضافہ ہو رہا ہے اور یہ ہمارے قارئین کی کوششوں کا ثمرہ ہے، آپ بخوبی جانتے ہیں کہ اس گرانی کے دور میں ماہنامہ رسالہ نکالنا اور اس کے لیے سرمایہ مہیا کرنا کس قدر مشکل ہے، اگر ہمارے قارئین تھوڑی توجہ فرمائیں تو ہماری یہ مشکل دور ہو سکتی ہے۔

محدث کا زر سالانہ نہایت قلیل یعنی -/150 Rs ہے، ہمارے بہت سے انخوان صرف لاپرواہی کی وجہ سے مدت خریداری ختم ہونے کے بعد بھی زر سالانہ نہیں بھیجتے ہیں، حالانکہ اس کی اطلاع انہیں دے دی جاتی ہے، اس طرح کئی سال کا بقایا رہ جاتا ہے، جب محدث ارسال کیا جاتا ہے تو اس کے ایڈریس لیبل پر مدت خریداری اور اشتراک نمبر لکھ دیا جاتا ہے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ اسے ضرور ملاحظہ کر لیا کریں۔ ہمارا ضمیر گوارہ نہیں کرتا کہ محض آپ کی غفلت کی وجہ سے رسالہ بھیجنا بند کریں، ہم سب کے لیے یہ ایک بڑا نقصان ہوگا۔

جن قارئین کے ذمہ محدث کا بقایا ہے، ان سے گزارش ہے کہ وہ بقایا رقم جلد از جلد ارسال فرمائیں تاکہ ہمارے رسالے کو معاشی بحران کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ والسلام

(ادارہ محدث)

زکوٰۃ کے منتخب مسائل

زکوٰۃ فرائض اسلام میں سے ایک ہے اور اس فریضہ کا ترک یا اس کے سلسلہ میں کوتاہی کر کے مسلمان اپنے آپ کو بڑے خطرہ سے دوچار کر لیتا ہے، اس فریضہ کی ادائیگی سے نفس اور مال دونوں پاک ہوتا ہے، غرباء پروری کا حق بھی ادا ہوتا ہے اور اس سے بہت سے کارخیر کے انجام دینے میں مدد ملتی ہے۔

زکوٰۃ اموال تجارت، زمین، جانور، پیداوار وغیرہ پر فرض ہے، بعض شرائط کے ساتھ نیز رائج اور محتاط مسلک کے مطابق زیورات پر بھی فرض ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کے پاس ایک خاتون اپنی صاحبزادی کے ساتھ آئیں جس کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے، آپ نے دریافت کیا کہ کیا تم اس کی زکوٰۃ دیتی ہو، انہوں نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا: أَيْحِبُّكَ أَنْ يَسُورَكَ اللَّهُ بِهَمَا سَوَارِينَ مِنْ نَارٍ۔ کیا تم اس بات کو پسند کرو گی کہ اللہ اس کے بدلے میں تم کو آگ کے دو کنگن پہن دے۔ اس حدیث اور بعض دوسری حدیثوں سے زیور کی زکوٰۃ کی فرضیت پر استدلال کیا گیا ہے، زکوٰۃ سے متعلق بعض مسائل اکثر پوچھے جاتے ہیں، اس کے مد نظر زکوٰۃ کے چند مسائل جو سعودی عرب کے سابق مفتی عام شیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ پر مشتمل ایک مترجم کتاب سے ماخوذ ہے، قارئین کے لئے پیش خدمت ہیں۔ (ادارہ)

۱-س: کیا اس سونے میں زکوٰۃ ہے جس کو عورت بطور زینت اپنے پاس رکھتی اور استعمال کرتی ہے، اور جو تجارت کے لئے نہیں ہے؟

۱-ج: عورتوں کے زیورات جب نصاب کو پہنچ جائیں اور تجارت کے لئے نہ ہوں تو ان کی زکوٰۃ کے وجوب کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ اگر نصاب کو پہنچ جائیں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی اگرچہ وہ صرف پہننے اور زینت ہی کے لئے کیوں نہ ہوں۔

سونے کا نصاب بیس مثقال (ساڑھے سات تولہ) ہے اور اس کی مقدار گرام سے ۹۲ گرام ہے، اگر زیورات اس سے کم ہوں تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے الا یہ کہ تجارت کے لئے ہوں تو ان کی قیمت سونے اور چاندی کے نصاب کو پہنچ جانے پر مطلق ان میں زکوٰۃ ہوگی، اور چاندی کا نصاب ایک سو چالیس مثقال (۶۴۴) گرام ہے اور اس کی مقدار درہم سے ۵۶ ریال ہے (یعنی چاندی کے ۵۶ سکے)، اور اگر چاندی کے زیورات اس سے کم ہوں تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے الا یہ کہ تجارت کے لئے ہوں تو ان کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کو پہنچ جانے پر مطلق ان میں زکوٰۃ ہوگی۔

سونے اور چاندی کے استعمال والے زیورات میں زکوٰۃ کے وجوب کی دلیل نبی ﷺ کے قول کا عموم ہے: ”ما من صاحب ذهب ولا فضة لا يؤدى زكاتها إلا إذا كان يوم القيامة صفت له صفائح من نار فيكوى بها جنبه وجبينه

و ظہرہ“ (۱)

جوسونے اور چاندی والا اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو قیامت کے دن اس کے لئے آگ کی چادریں بنا دی جائیں گی اور اس سے اس کا پہلو، پیشانی اور پیٹھ داغی جائے گی۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ ایک عورت نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس کی لڑکی کے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن تھے تو آپ نے اس سے پوچھا: ”ایسبرک أن یسورک اللہ بہما یوم القیامۃ سوارین من نار، فألقتهما و قالت: ہما للہ ورسولہ“ (۲)

کیا تمہیں پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہیں ان دو کنگنوں کے بدلے آگ کے دو کنگن پہنائے؟ تو اس نے ان دونوں کو نکال کر رکھ دیا اور کہا وہ دونوں اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ وہ سونے کے کنگن پہنتی تھیں تو رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا یہ کنز (۳) ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ”ما بلغ أن تؤدی زکاتہ فزکی فلیس بکنز“ (۴)۔ جو نصاب کو پہنچ جائے اور اس کی زکوٰۃ دے دی گئی تو وہ کنز نہیں ہے۔

آپ نے ام سلمہ سے یہ نہیں کہا کہ زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

اور جو نبی ﷺ سے یہ مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ”لیس فی الحلی زکاة“ (۵) زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے، تو وہ ضعیف ہے، اس کو صحیح احادیث کے مقابلہ میں پیش کرنا درست نہیں ہے، واللہ ولی التوفیق۔

۲- س: ان زیورات کی زکوٰۃ کس طرح نکالی جائے جن میں صرف سونا نہیں ہوتا بلکہ ان میں مختلف قسم کے نگینے اور قیمتی پتھر جڑے ہوتے ہیں؟ کیا سونے کے ساتھ ان قیمتی پتھروں اور نگینوں کے وزن کا بھی حساب ہوگا، کیونکہ سونے کو ان سے جدا کرنا دشوار ہے؟

۲- ج: سونے ہی میں زکوٰۃ ہے اگر وہ پہننے اور استعمال کے لئے ہو، موتی اور ہیرے وغیرہ کی جنس کے قیمتی پتھروں میں زکوٰۃ نہیں ہے، اگر ہار وغیرہ میں اس طرح کی چیزیں ہوں تو عورت یا اس کا شوہر یا اس کے سر پرست سوچ سمجھ کر سونے کا تخمینہ لگائیں گے یا جانکار اور تجربہ کار کے سامنے پیش کریں گے، اور جس بات پر ظن غالب ہو جائے اس پر عمل کرنا کافی ہوگا، اگر نصاب کو پہنچ گیا ہو تو زکوٰۃ ادا کرے، نصاب بیس مثقال (ساڑھے سات تولہ) ہے اور گرام سے ۹۲ گرام ہے اور ہر سال زکوٰۃ ادا کرے، اس میں چالیسواں حصہ یعنی ہر ہزار میں پچیس ہے۔ یہی اہل علم کا صحیح قول ہے، لیکن زیورات تجارت کے لئے ہوں تو جمہور کے نزدیک مال تجارت کی طرح موتی یا ہیرے سمیت جملہ زیورات کی زکوٰۃ حسب قیمت ادا کرنا ہوگا۔

۳- س: میں نے وہ سونا فروخت کر دیا جس کو ایک مدت پہلے استعمال کرتی تھی اور اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی، براہ کرم وضاحت فرمائیں کہ اس کی زکوٰۃ کس طرح ادا ہوگی اور یہ معلوم رہے کہ میں نے اس کو چار ہزار ریال میں فروخت کیا ہے؟

(۱) مسلم: الزکاة، باب إثم مانع الزکاة (۹۸۷) ابوداؤد (۱۶۵۸)

(۲) حسن ہے۔ صحیح الترغیب (۷۶۸)۔ اس کو ابوداؤد (۱۵۶۳) ترمذی (۶۳۷) اور نسائی (۲۳۶۹) نے روایت کیا ہے۔

(۳) یعنی وہ مال یا خزانہ جس کی زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر عذاب کی وعید آئی ہے۔

(۴) حسن ہے۔ صحیح الجامع (۵۵۸۲)، الصحیح (۵۵۹)۔ اس کو ابوداؤد (۱۵۶۳) نے روایت کیا ہے۔

(۵) ضعیف ہے، ضعیف الجامع (۴۹۰۶)۔ اس کو دارقطنی (۸، ۶/۱۰۹/۲) نے روایت کیا ہے۔

۳-ج: اگر تمہیں اس کو فروخت کرنے کے بعد زکوٰۃ کے وجوب کا علم ہوا تو تم پر کوئی مضائقہ نہیں، اور اگر تمہیں اس کا علم تھا تو اس رقم کی ایک سال کی زکوٰۃ ہر ہزار میں پچیس کے حساب سے ادا کرو، اور اسی طرح بازار میں سونے کی موجودہ قیمت کے مطابق اس سے پہلے کے سالوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرو، اور زکوٰۃ ڈھائی فیصد واجب ہے جس کو سکھراج الوقت سے تمہیں ادا کرنا ہوگا، لیکن اگر تمہیں اس کا علم آخری سال میں ہوا تو تم پر آخری سال کی زکوٰۃ ادا کرنی واجب ہے۔

۴-س: کیا میری طرف سے میرے شوہر میرے مال کی زکوٰۃ نکال سکتے ہیں، یہ مال انہوں نے ہی مجھے دیا ہے؟ اور کیا مجھے اپنی بیوہ بہن کے لڑکے کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جو بالکل نوجوان ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے؟

۴-ج: اگر آپ کے پاس سونے یا چاندی یا اس کے علاوہ دوسرے اموال زکوٰۃ ہیں اور وہ نصاب کو پہنچ گئے ہوں یا اس سے زیادہ ہوں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہے، اگر آپ کے شوہر آپ کی طرف سے اور آپ کی اجازت سے زکوٰۃ نکال دیں تو کوئی حرج نہیں، اور ایسے ہی اگر آپ کی طرف سے اور آپ کی اجازت سے آپ کے باپ یا بھائی وغیرہ زکوٰۃ نکال دیں تو کوئی حرج نہیں۔ بھانجے کو شادی میں اس کی امداد کرنے کی خاطر زکوٰۃ دینا جائز ہے بشرطیکہ وہ شادی کے اخراجات سے عاجز اور بے بس ہو۔

۵-س: کیا بیوی اپنے شوہر کو اپنے زیورات کی زکوٰۃ دے سکتی ہے جو (سرکاری) ملازم ہے اور اس کی تنخواہ چار ہزار ریال ہے لیکن وہ تیس ہزار ریال کا مقروض ہے؟

۵-ج: علماء کے صحیح قول کے مطابق عورت کو اپنے زیورات وغیرہ کی زکوٰۃ اپنے شوہر کو دینے میں کوئی حرج نہیں اگر وہ غریب یا ایسا مقروض ہے کہ ادائیگی سے قاصر ہے، اس کی دلیل اس باب میں وارد ہونے والے دلائل کا عموم ہے، ان ہی میں سے اللہ کا یہ فرمان ہے: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبِهِمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ﴾ [التوبة: ۶۰]

”در اصل یہ صدقات غریبوں اور مسکینوں کے لئے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو صدقات کے کام پر مامور ہیں اور ان لوگوں کے لئے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو اور گردنوں کے چھڑانے کے لئے اور قرضداروں کے لئے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لئے، اللہ کی طرف سے فرض ہے۔“

۶-س: ان زیورات کی زکوٰۃ کس طرح نکالی جائے جن میں صرف سونا نہیں ہوتا بلکہ ان میں مختلف قسم کے نگینے اور قیمتی پتھر چڑے ہوتے ہیں؟ کیا سونے کے ساتھ ان قیمتی پتھروں اور نگینوں کے وزن کا بھی حساب ہوگا، کیونکہ سونے کو ان سے جدا کرنا دشوار ہے؟

۶-ج: سونے ہی میں زکوٰۃ ہے اگر وہ پہننے اور استعمال کے لئے ہو، موتی اور ہیرے وغیرہ کی جنس کے قیمتی پتھروں میں زکوٰۃ نہیں ہے، اگر ہار وغیرہ میں اس طرح کی چیزیں ہوں تو عورت یا اس کا شوہر یا اس کے سرپرست سوچ سمجھ کر سونے کا تخمینہ لگائیں گے یا جانکار اور تجربہ کار کے سامنے پیش کریں گے، اور جس بات پر ظن غالب ہو جائے اس پر عمل کرنا کافی ہوگا، اگر نصاب کو پہنچ گیا ہو تو زکوٰۃ ادا کرے، نصاب بیس مثقال (ساڑھے سات تولہ) ہے اور گرام سے ۹۲ گرام ہے اور ہر سال زکوٰۃ ادا کرے، اس میں چالیسواں حصہ یعنی ہر ہزار میں پچیس ہے۔ یہی اہل علم کا صحیح قول ہے، لیکن زیورات تجارت کے لئے ہوں تو جمہور کے نزدیک مال تجارت کی طرح موتی یا ہیرے سمیت جملہ زیورات کی زکوٰۃ حسب قیمت ادا کرنا ہوگا۔

(شیخ ابن باز)

روزے کے طبی پہلو

ڈاکٹر محفوظ الرحمن (ایم ڈی)

حفظان صحت و سماجی طب، اجمل خاں طبیہ کالج، اے، ایم، یو، علیگڑھ

﴿يا أيها الذين آمنوا كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم تتقون﴾ (البقرة: ۱۸۳)
 اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔
 اسلام میں روزہ پانچ بنیادی اصولوں میں ایک ہے۔ حدیث شریف ہے: ”بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا
 اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله واقام الصلاة وايتاء الزكوة والحج وصوم رمضان“ (متفق علیہ)
 اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے: (۱) گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، (۲) نماز قائم کرنا
 ، (۳) زکوٰۃ دینا، (۴) حج کرنا، (۵) رمضان کے روزے رکھنا۔

روزہ کو عربی میں صیام کہتے ہیں اور یہی نام اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں روزہ کے لئے استعمال کیا ہے، صیام عربی زبان کا لفظ
 ہے جس کے معنی رک جانا، باز رہنا، بٹھہر جانا وغیرہ کے آتے ہیں۔ روزہ عناصر رابعہ سے مل کر بنا ہے جس میں عناصر صرر، و، ز اور ہ شامل
 ہیں، میں نے ان عناصر کا مفہوم یہاں پر اس طرح سے لیا ہے۔

ر= رُکے رہنا ایک مخصوص وقت تک کھانے، پینے، گناہوں اور نفسیاتی خواہشات سے۔

= و= وضو رکھنا افضل ہے۔

ز= زکوٰۃ دینا تاکہ مستحقین عید کی خوشی میں اجتماعی طور سے شامل ہو سکیں۔

ہ= ہدایت، روزہ ہمارے لئے پروردگار کی طرف سے تقویٰ کی ہدایت ہے۔

ان حوالوں سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں رمضان المبارک کے روزے ایمان والوں پر فرض
 کئے گئے ہیں روزے کے بہت سے طبی فوائد ہیں، لیکن ان میں سے کچھ کا ذکر کیا جائے گا۔

(۱) روحانی صحت (Spiritual Health): روحانی صحت کا تصور گرچہ طب جدید میں بالکل نیا ہے لیکن اسلام نے روحانی
 صحت کا تصور آج سے ۱۴۰۰ سال قبل ہی پیش کر دیا تھا۔ روزہ ایک عبادت ہے اس میں بندے اور اللہ کا سیدھا تعلق ہوتا ہے اور اس
 وقت وہ دنیا کے سارے دکھوں، غموں اور مسئلوں کو بھول کر بارگاہ خداوندی سے امن و سکون کا منتہی ہوتا ہے جو کہ صحت مند زندگی کا نصب
 العین ہے یقینی طور پر ۲۱ ویں صدی کو Centenary of Stress کہا جائے گا اور اس حالت میں روزے کی اہمیت اور زیادہ
 بڑھ جائے گی جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ بیماریوں کے عموماد و اسباب ہوتے ہیں:

(الف) طبی اسباب (Physical Causes): اس حالت میں طبیب کے علاج و معالجہ سے مریض صحت یاب ہو

جاتا ہے۔

(ب) روحانی اسباب (Spiritual Causes) : اس حالت میں بیماری کی وجہ روحانی ہوتی ہے سو ایسی حالت میں Spiritual Treatment کے ذریعہ ہی شفا حاصل کی جاسکتی ہے اس حالت کے لئے روزہ اکسیر ہے مثلاً Depression خودکشی اور اعصابی تناؤ وغیرہ کا علاج روزہ کے ذریعہ بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ کسی بھی مرض سے جلد نجات پانے کے لئے ضروری ہے کہ Physical Treatment کے ساتھ ساتھ Spiritual Treatment بھی کیا جائے۔

(۲) نظام ہضم : اطباء معدے کو 'ام الامراض' کہتے ہیں۔ نظام ہضم بہت سے اعضاء پر مشتمل ہوتا ہے جس میں معدے کی کلیدی حیثیت ہے، اطباء یونان جن میں ابن سینا، ابن نفیس، زہراوی اور رازی نے بہت ہی وضاحت کے ساتھ اس بات کا ذکر کیا ہے کہ جو بھی غذا ہم استعمال کرتے ہیں اس کا کچھ حصہ جز بدن بن جاتا ہے اور زیادہ حصہ فضلہ کے طور پر خارج ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود غذا کا کچھ نہ کچھ حصہ جسم میں دھیرے دھیرے جمع ہوتا رہتا ہے۔ گو کہ اس کی مقدار نہایت قلیل ہوتی ہے یا اس کا ضرر کم ہونے کے سبب سے طبیعت اسے جسم سے خارج کرنے کا کوئی خاص اہتمام نہیں کرتی ہے، دھیرے دھیرے یہ فضلہ رقیق یا غلیظ ہونے کی وجہ سے خارج ہونے کے قابل نہیں رہتا، اگر یہ فضلہ یوں ہی دھیرے دھیرے جسم میں جمع ہوتا رہے تو اپنی کیت یا کیفیت سے جسم کو ضرر پہنچائے گا۔ روزہ میں چونکہ معدہ زیادہ تر خالی رہتا ہے اور طبیعت ہضم سے ہٹ کر ان فضلات کی طرف مائل ہوتی ہے اس طرح سے معدہ میں ان رطوبات کا اجتماع نہیں ہو پاتا ہے جو فساد غذا اور فساد ہضم کے لئے ذمہ دار ہوتے ہیں، روزہ کے دوران معدہ کو کافی سکون میسر ہوتا ہے جس سے معدہ کو تقویت ملتی ہے۔

ڈاکٹر لوٹھر جیمس جن کا تعلق کیمبرج یونیورسٹی سے ہے انہوں نے روزے دار کے Stomach Secretion کا Test کر کے یہ ثابت کر دیا کہ روزہ دار کے Secretion میں Septic Food Particles نہیں پائے جاتے ہیں۔ روزہ میں جب معدہ خالی رہتا ہے تو اس سے مخصوص قسم کی Secretion نکلتی ہے جو معدہ کو Ulcer سے محفوظ رکھتا ہے، نیز معدہ سے نکلنے والی رطوبتیں بھی متوازن ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے روزہ دار تیزابیت سے دوچار نہیں ہوتا، اس کے علاوہ روزہ سے آنتوں کو آرام، نئی تازگی اور توانائی حاصل ہوتی ہے جو کہ صحت مند زندگی کے لئے بہت ضروری ہے۔ روزہ میں کھانے پینے کے اوقات مقرر ہونے کی وجہ سے انسان نظام ہضم کی دیگر بے ضابطگیوں سے بھی محفوظ رہتا ہے۔ اس طرح سے روزے دار امراض معدہ سے محفوظ رہتا ہے۔

(۳) امراض جگر : روزے سے جگر کو ایک نئی تازگی اور توانائی حاصل ہوتی ہے کیونکہ کو Detoxification کے عمل سے خاطر خواہ نجات مل جاتی ہے۔

(۴) امراض نظام : چونکہ ماہ رمضان میں عبادت بہت ہی کثرت، یکسوئی اور وقت مقررہ پر کی جاتی ہے نماز پنجگانہ کا اہتمام کیا جاتا ہے، نماز کے لئے وضو ضروری ہے وضو کی وجہ سے ہلکی ریاضت، جسمانی صفائی ہو جاتی ہے اور الرجس دھل جاتے ہیں اس طرح روزے دار Hypertension، امراض انف، امراض حلق اور Respiratory Disease وغیرہ سے محفوظ رہتے ہیں اس کے علاوہ نماز پڑھنے اور تراویح کے اہتمام سے پھیپھڑوں کی زیادہ ورزش ہو جاتی ہے۔ مسواک کا اہتمام روزے میں خاص طور سے کیا جاتا ہے جو کہ امراض حلق کے لئے مجرب ہے۔

(۵) **امراض دوران خون:** روزے میں Diastolic Pressure ہمیشہ کم سطح پر ہوتا ہے یعنی اس وقت دل آرام یاریسٹ کی صورت میں ہوتا ہے اس کے علاوہ Blood Pressure Normal Limit میں رہتا ہے، روزے کے دوران خون میں Cholestrol کی مقدار کم ہو جاتی ہے اور فاضل چربی جسم کو توانائی مہیا کراتی ہے۔ دور حاضر کی بیماریوں میں Arteriosclerosis کا شمار خطرناک بیماریوں میں ہوتا ہے جس سے روزے دار بہت حد تک محفوظ رہتا ہے اس کے علاوہ خون پر غذائی نقل و حمل کا بوجھ کم ہو جاتا ہے نیز ہارٹ اٹیک اور خفقان میں بھی خاطر خواہ کمی لاحق ہوتی ہے۔

(۶) **اعصابی نظام (Nervous System):** چڑچڑاپن اور بے دلی کا تعلق انانیت اور طبیعت کی سختی سے ہے، روزے کے دوران اعصابی نظام مکمل سکون اور آرام کی حالت میں ہوتا ہے، عبادت کی کثرت سے حاصل تسکین کدورتوں اور غصہ سے دور رکھتی ہے، اللہ کی مرضی کے سامنے بہت لمبے عرصے تک سرنگوں ہونے کی وجہ سے ہماری ساری جسمانی، دماغی اور اعصابی پریشانیوں تحلیل ہو کر ختم ہو جاتی ہیں کیونکہ روزہ ایک عبادت ہے اور اس کی مدت ساری عبادتوں سے طویل ہوتی ہے نیز اس کی مدت موسم کے لحاظ سے گھٹی بڑھتی رہتی ہے موسم گرما میں یہ مدت تقریباً ۱۴ گھنٹہ ہے اور اس دوران جسم Water Balance کو کس طرح برقرار رکھتا ہے یہ بات قابل غور ہے۔ نیز موسم سرما میں جسم کو کس طرح Thermo Regulatory System کو Maintain کرتا ہے، یہ بات مسلسل ہمیں مزید تحقیق کی دعوت دے رہی ہے۔ روزے کی طویل المدتی عبادت میں مشغول رہنے کے بعد اعصابی دباؤ کا امکان باقی نہیں رہتا۔

(۷) **موٹاپا (Obesity):** موٹاپا ایک غیر متعدد مرض ہے جس کی گرفت میں آج وہ لوگ سب سے زیادہ ہیں جو ترقی یافتہ ہیں، موٹاپے کو اگر ”ام الامراض“ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کیونکہ اس کی وجہ سے شرح امراض مثلاً امراض قلب، وجع المفاصل، ذیابیطس وغیرہ پیدا ہوتے ہیں، اس کے علاوہ شرح اموات میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ روزے دار کے جسم کی زائد چربی پگھل کر اسے توانائی فراہم کرتی ہے جو موٹاپے کا سبب ہوتی ہے۔ روزہ عبادت کے ساتھ ساتھ معالج بھی ہے کیونکہ موٹاپے کا تیرہ ہدف علاج Dieting ہے جو ایک روزہ دار کو بغیر کسی مالی صرفے کے حاصل ہوتی ہے۔ روزے میں کھانے پینے کے اوقات متعین ہونے کی وجہ سے قدرتی اور فطری Dieting ہوتی ہے اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ موٹاپے کے لئے روزہ ایک قدرتی اور فطری معالج ہے۔

(۸) **نوم و یقظہ:** حفظان صحت کی بنیاد اسباب ستہ ضروریہ پر ہے، نوم و یقظہ اسباب ستہ ضروریہ میں شامل ہیں، صحت کے لئے ضروری ہے کہ نوم و یقظہ کا تناسب برقرار رہے۔ ماہ رمضان میں عبادت کی کثرت اور تراویح کی ادائیگی کی وجہ سے بہت اچھی ریاضت ہو جاتی ہے جو کہ Sound Sleep کا باعث ہوتی ہے، صبح سحری میں اٹھنے کی وجہ سے نوم و یقظہ کا تناسب برقرار رہتا ہے، جو کہ صحت کا ضامن ہے۔ اس طرح روزے میں Early to Bed, Early to rise کے اصول کی پابندی بہ آسانی ہو جاتی ہے۔ اس بحث سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ روزہ ایسی عبادت ہے جو ہمیں خدا کی قربت کے ساتھ ساتھ جسمانی، دماغی، سماجی اور روحانی صحت بھی عطا کرتا ہے جو کہ طب کا نصب العین ہے۔ اللہ ہمیں اور آپ کو رمضان کے روزے پورے کرنے کی سعادت عطا فرمائے، آمین۔

اعتقادی انحرافات کے ظہور کا تاریخی جائزہ

(قسط: ۱)

راشد حسن فضل حق مبارکپوری

مدرس جامعہ اسلامیہ، سنابل، نئی دہلی

اسلامی تاریخ پر ایک طائرانہ نگاہ اس بات کا واضح پتہ دیتی ہے کہ عہد نبوی سے لے کر دور جدید تک متنوع و مختلف قسم کے فتنے کرہ ارضی پر وجود پذیر ہوئے، لیکن ان تمام فتنوں کا اساسی اور بنیادی رشتہ و تعلق پہلی صدی ہجری سے چوتھی صدی ہجری کے درمیانی زمانے میں سر اٹھانے والے نوع بہ نوع فتنوں سے بڑا گہرا ہے، واضح لفظوں میں انحرافات و بدعات کا آغاز و ارتقاء زمانے کی انہیں تاریخوں میں ہوا، اور پھر لیل و نہار کی گردش اور عقل و نظر کی ہمہ گیر تبدیلیوں نے ان فتنوں کی شکلیں بدل دیں، ہر زمانے نے اپنے ذوق کے مطابق بدعات کے ان معدوں کو خوراک دی اور تہذیب و چلن کے موافق ان کے جسم کو پوشاک و پیرہن بھی، چونکہ ان فتنوں نے مختلف زمانوں اور مختلف مقامات میں اپنے زہر پھیلانے، اس لیے ذیل میں ہم ان تمام کا تاریخی حوالے سے سلسلہ وار تذکرہ مناسب سمجھتے ہیں، تاکہ موضوع کی مناسب ترتیب ذہن میں قائم ہو جائے۔

پہلا فترہ (۳۷ تا ۳۷۰۰۰ صدی ہجری)

قرآن مجید کا نزول ۲۳ سالوں تک ہوتا رہا، اور رسول اللہ ﷺ اسے امت تک پہنچاتے اور اس کی تبلیغ کرتے رہے، پھر دین مکمل ہو گیا، اور دین اسلام کی نعمت پوری ہو گئی، پھر آپ ﷺ اس دار فانی سے دار بقاء کی طرف رحلت کر گئے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن مجید سنتے، سمجھتے اور اس کے تمام احکامات و بیانات کو حرز جاں بنا کر اپنی زندگیوں میں نافذ کرتے، قرآن مجید کی آیتوں کا نزول امور غیب سے متعلق ہوتا، اس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات، اس کی ذات و افعال، یوم آخرت کے کوائف و احوال اور جنت و جہنم میں تیار کردہ انعام اور عذاب جیسے اہم اعتقادی موضوعات شامل تھے، نبی ﷺ انہیں صحابہ تک پہنچاتے، صحابہ کرام اسے سیکھتے، اور ایمان و یقین کی ان مٹ رو شنائی سے اپنے دل کی تختیوں پر نقش کر لیتے، اس باب میں انہیں شک و شبہ سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا، زبان نبوی سے صادر ہوئے کلمات کے سلسلے میں زندگی کی لغت سے اشکال و تردد کے ہم معنی تمام الفاظ مٹا دیئے تھے، اگر انہیں عقائد کے باب میں ادنیٰ شک بھی گذرتا تو ضرور استفسار کرتے، کیونکہ اس کا تعلق عقائد جیسی اہم اساس سے تھا، اسی اسلامی عقیدہ کو جب انہوں نے نہ سمجھا تھا تو اسی کے خلاف شمشیریں بے نیام تھیں، اور جب سمجھ لیا تو اس کی حفاظت میں فداکاری و جانثاری کی ایسی سنہری تاریخ مرتب کی کہ دنیا عیش و عشرت کراٹھی، اس کا مطلب یہ تھا کہ عقیدہ کو انہوں نے بہت ہی گہرائی سے سمجھ لیا ہے، ورنہ ایسا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ جس عقیدہ کو انہوں نے نہ سمجھا ہو اس کے لیے بے لوث قربانیوں اور بے داغ جفاکوشیوں کی ایسی نظیر پیش کریں گے، ہاں اتنا ضرور ہے کہ صحابہ کرام بعض شرعی امور کے بارے میں سوال کرتے، مگر وہ عملی ہوتے اعتقادی نہیں، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: ”ما رأیت

قوما خیرا من أصحاب رسول الله ﷺ ما سألوه إلا عن ثلاث عشرة مسألة حتى قبض ﷺ عليه
كلهن في القرآن يسألونك عن المحيض ويسألونك عن الشهر الحرام يسألونك عن
اليتامى ما كانوا يسألونه إلا عما ينفعهم“۔ (۱)

یعنی صحابہ کرام سے بہتر جماعت میں نے نہیں دیکھی، انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوری زندگی میں صرف ۱۳ سوال
سوالت کئے، وہ سب کے سب قرآن مجید میں موجود ہیں، مثلاً حیض، شہر حرام اور یتامی وغیرہ کے تعلق سے، صحابہ کرام صرف نفع
بخش چیزوں کے بارے میں ہی استفسار فرماتے۔

صاحب ”مفتاح السعادة“ رقم طراز ہیں: ”إن الصحابة رضوان الله عليهم أجمعين كانوا في زمن
النبي ﷺ على عقيدة واحدة لأنهم أدركوا زمان الوحي وشرف صحبة صاحبه وأزال عنهم ظلم
الشكوك والأوهام“۔ (۲)

یعنی اللہ کے رسول ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کرام ایک ہی عقیدہ پر قائم تھے، کیونکہ وہ شرف صحابیت اور زمانہ وحی کی
حصولیابی سے ہمکنار تھے، جس نے ظلم، شکوک، بداندیشگی، اور اوہام کے سارے پردے چاک کر دیئے تھے۔

امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں: ”وقد تنازع الصحابة رضي الله عنهم في كثير من مسائل الأحكام،
وهم سادات المؤمنين وأكمل الأمة إيماناً، ولكن بحمد الله لم يتنازعا في مسألة واحدة من
مسائل الأسماء والصفات والأفعال“۔ (۳)

یعنی صحابہ کرام جو کہ امت میں ایمان کے سب سے اعلیٰ مرتبے پر فائز تھے، انہوں نے بہت سارے احکامی مسائل
میں اختلاف کیا، مگر محمد تعالیٰ عقائد کے کسی ایک مسئلہ میں بھی ان سے اختلاف معلوم نہیں۔

یہ تھی صحابہ کرام کے معاشرہ کی صحیح عکاسی اور تصویر کشی، جس میں شر و فساد کا وجود تک نہ تھا، انحرافات و بدعات کے لیے
کوئی جگہ نہ تھی، یہ وہ صالح معاشرہ تھا، جو ہر قسم کے زلیغ و ضلال سے بالکل صاف شفاف تھا، بلکہ اخوت و محبت، اتحاد و یکجہتی اور
تعلیمات نبوی کا اعلیٰ نمونہ اور دلکش مظہر تھا، اس وقت بھی کچھ فتنوں نے سراٹھایا تھا، مگر ان کو اسی وقت کچل کر پیوند خاک کر دیا
گیا، چنانچہ عہد نبوی میں بعض صحابہ کرام نے قضاء و قدر کی بخشیں چھیڑیں، مگر نبی ﷺ نے ان پر سخت خفگی کا اظہار کیا، پھر اس
کے بعد وہ رک گئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں: ”إن رسول الله ﷺ خرج وهم يتنازعون في القدر:
هذا ينزع آية وهذا ينزع آية، فكأنما فقيء في وجهه حب الرمان فقال: بهذا أمرتم أوبهذا وكلتم أن

(۱) أعلام الموقعين لابن القيم ۱/۱۷۱۔ (۲) مفتاح السعادة ۲/۲۶۲۔

(۳) أعلام الموقعين ۱/۴۹۱، وانظر: الخطط للمقرئ ۱۸۰/۴۔

تضر بوا کتاب اللہ یعضہ ببعض انظروا إلی ما أمرتم به فاتبعوه وما نهیتم عنه فاجتنبوه۔ (۱)
یعنی رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے مابین تشریف لائے، اس وقت صحابہ کرام مسئلہ تقدیر پر بحثیں کر رہے تھے، ہر شخص ایک دوسرے سے منازعہ میں لگا ہوا تھا، اللہ کے رسول ﷺ یہ منظر دیکھ کر اس قدر غضبناک ہوئے کہ آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر گویا انار کے دانے کا رس نچوڑ دیا گیا ہو، پھر یوں گہرا فشاں ہوئے: تمہیں اسی کا حکم ملا ہے، تمہیں یہی معاملہ سونپا گیا ہے کہ تم اللہ کی کتاب کو ایک دوسرے پر مارو، جس کا حکم ملے اس کی اتباع کرو، جس سے روکا جائے اس سے باز آ جاؤ۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ بعض صحابہ کرام قضاء و قدر کے موضوع میں داخل ہوئے تھے، مگر یہ نزاع عارضی اور وقتی تھی، نبی ﷺ نے جب منع کر دیا، پھر دوبارہ ایسا نہیں ہوا، بلکہ جب ”قتنہ قدر“ ظاہر ہوا تو صحابہ کرام نے کھلی تنقید کی اور سخت رد عمل کا اظہار کیا، اور ان تمام سے برأت بھی ظاہر کی۔ (۲) اسی طرح حضرت عمرؓ کے دور میں بعض انفرادی معاملات بھی پیش آئے، پھر ختم بھی ہو گئے، ایک شخص صبیغ نامی تھا جو ”متشابہ قرآن“ کے بارے میں پوچھتا پھرتا، تو حضرت عمرؓ نے جم کر پلائی، پھر اس نے توبہ کر لی، تفصیل اس طرح ہے: روی اللالكائي بسنده إلی سليمان بن يسار أن رجلا من بني غنيم یقال له صبيغ بن عسل قدم المدينة وكانت عنده كتب فجعل یسأل عن متشابہ القرآن فبلغ ذلك عمر فبعث إلیه وقد أعد له عراجین النخل فلما دخل علیہ جلس، قال: من أنت؟ أنا عبد الله صبيغ، قال عمر: وأني عبد الله عمر وأومي إلیه فجعل یضربه بتلك العراجین فما زال یضربه حتی شجہ وجعل الدم یسیل علی وجهه، فقال: حسبك یا أمیر المؤمنین فقد والله ذهب الذي أجد فی رأسی۔ (۳)

امام لاکائی اپنی سند سے سلیمان بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ بنی غنیم کا ”صبیغ بن عسل“ نامی ایک شخص مدینہ آیا، اس کے پاس کچھ کتابیں تھیں، چنانچہ اس نے متشابہات قرآنی سے متعلقہ سوالات کرنے شروع کر دیئے، یہ خبر حضرت عمرؓ کو پہونچی، تو انہوں نے اسے بلا بھیجا، کہا کہ آپ کون ہیں؟ میں عبد اللہ صبیغ ہوں، تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میں بھی عبد اللہ عمر ہوں، اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے پھر کھجور کی شانوں سے اس کی ایسی پٹائی کی کہ اس کا سر لہولہاں ہو گیا، اور خون چہرے پر بہنے لگا، تو اس شخص نے کہا: امیر المؤمنین! بس میرے لیے یہی کافی ہے، اب میرے سر کی ساری خباثیتیں دور ہو گئیں۔

اس مختصر سی گفتگو سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ یہ دور ہر طرح کی بدعات و خرافات سے خالی تھا، خصوصاً اعتقادی گمراہی

سے بہت دور تھا۔

(۱) شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ لالکائی، رقم: ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۸، ۱۱۱۹۔

(۲) قد ذکر اللالكائي ذلك مطولا في مبحث: ”النهي عن الكلام في القدر والجدال فيه والأمر بالإرسال عنه۔

(۳) المصدر السابق، رقم: ۱۱۳۷۔

دوسرا فترہ (از ۳۷ تا ۱۰۰ھ)

تاریخ کے اس فترہ میں جو کہ حضرت علیؓ کی خلافت کے درمیانی زمانے میں شروع ہوا، بڑی تباہ کن اور ہلاکت خیز بدعات و خرافات ایجاد ہوئیں، اس زمانہ کے سیاسی اختلافات اور مختلف اجتہادات کے نتیجے میں ان فتنوں کا ظہور ہوا، چنانچہ اسی زمانہ میں خوارج اور تشیع جیسے خطرناک فتنوں نے جنم لیا، یہ دونوں ایک دوسرے کے بالمقابل اور متضاد نظریے کے حامل تھے، ان میں سے ایک نے حضرت علیؓ کی نصرت و حمایت کی اور دوسرے نے ان کی تکفیر اور ان سے برأت کا اظہار کیا، پھر اس کے بعد ”قدریہ“ اور ”مرجہ“ معرض وجود میں آئے، اگلی سطور میں ہم ان کی بدعات پر ایک سرسری نگاہ ڈالیں گے۔

(۱) فتنہ خوارج (۱):

خوارج کا ظہور حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت ۳۷ھ میں ہوا، اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے مابین جنگ صفین کا واقعہ پیش آیا، تو دوران جنگ اصحاب معاویہؓ نے قرآن مجید کے نسخے بلند کئے، مطلب تھا کہ اس جنگ کا فیصلہ قرآن کرے گا، چنانچہ فیصلے کے لیے امیر معاویہؓ کی جانب سے حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت علیؓ کی جانب سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حکم منتخب ہوئے، پھر بعض لوگوں نے جو حضرت علیؓ کی جانب سے بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے یہ منظر نامہ دیکھا تو حکمین کے فیصلہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور ”ان الحكم الا لله“ فیصلہ صرف اللہ کا ہوگا، کا نعرہ بلند کیا، اور حضرت علیؓ سے بغاوت کر بیٹھے، انہیں کو تاریخ نے خوارج کے نام سے یاد کیا، قضیہ تحکیم کے حوالے سے ان کا سوء فہم اور بدگمانی یہ تھی کہ حضرت علیؓ نے اللہ کے دین میں انسانوں کو حکم تسلیم کر لیا ہے، ایک خارجی نے تو حضرت علیؓ سے یہاں تک کہہ دیا: ”أما والله يا علي لئن لم تدع تحكيم الرجال في كتاب الله عز وجل قاتلتك أطلب بذلك وجه الله ورضوانه“ (۲) اے علی! بخدا اگر تم اللہ کی کتاب میں انسانوں کو حکم بنانے سے باز نہ آئے تو میں تم سے قتال کروں گا، اور اس کے ذریعہ میں اللہ کی رضا و خوشنودی کا طلب گار و امیدوار ہوں گا۔

ان کے اس شبہ کی علت دراصل اس آیت کریمہ میں غلط فہمی تھی، ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئك هم الكافرون اور فقاتلوا التي تبغي حتى تفيء إلى أمر الله۔

وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ”اہل بعی“ سے قتال کا حکم فرمایا ہے، اور حضرت علیؓ نے تحکیم کے بعد ان سے قتال ترک کر دیا، لہذا وہ اللہ کے حکم کے تارک اور موجب کفر ہوئے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ”ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئك هم الكافرون“۔ (۳)

حضرت علیؓ نے ان کے اس التباس کو رفع کرنے کی ہر ممکن کوشش کی کہ انہوں نے اللہ کی کتاب ہی کو حکم تسلیم کیا ہے،

(۱) خوارج کا اطلاق اس فرقہ پر ہوتا ہے، جس نے حضرت علیؓ سے بغاوت کی، المجلد: ۱۱، ۱۴۱: ۱، ومقالات الاسلامیین ۵۶۱۔

(۲) تاریخ الطبری (۷۲/۵) (۳) مقالات الاسلامیین (۱۴۱/۲)

وہ حکمین پر یہ شرط لگائی ہے کہ وہ اسی چیز کو زندہ کریں گے، جسے قرآن نے زندہ کیا ہے، اور اسی چیز کو ختم کریں گے جسے قرآن نے کیا ہے، اسی طرح یہ بھی سمجھایا کہ قرآن مجید تو ایک لکھی ہوئی کتاب ہے، یہ گفتگو نہیں کرتی بلکہ اس کے احکام لوگ اپنی زبان سے بیان کرتے ہیں۔ (۱) لیکن بایں ہمہ ان لوگوں نے حضرت علیؓ کی ایک نہ سنی، اور اپنی ضلالت و گمراہی پر قائم رہے، یہاں تک کہ معاملہ قتال تک آن پہنچا، مزید برآں اہل خوارج کا یہ عقیدہ بن گیا کہ ہر گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا شخص کافر اور خالد مخلد فی النار ہے، اور اس کا مال اور خون بہانا جائز ہے۔ (۲)

(۲) فتۃ تشیع (۳):

”شیعان علیؓ“ حضرت علیؓ کے مویدین و معاونین میں سے تھے، شروع شروع میں تو ان کا معاملہ معتدل رہا کہ بلا کسی طعن و تشنیع اور تنقید و تخریج کے حضرت علیؓ کو حضرت عثمان کی خلافت پر مقدم کرتے تھے، لیکن بعد کو اس پر قائم نہ رہ سکے۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

”حضرت علیؓ سے یہ بات تو اتر کے ساتھ منقول ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ کے بعد اس امت میں سب سے بہتر حضرت ابو بکرؓ ہیں پھر حضرت عمرؓ، قدماء شیعہ کے یہاں یہ مسئلہ متفق علیہ تھا، وہ سب کے سب حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہم کو فوقیت دیتے تھے، اصل نزاع حضرت علیؓ و عثمانؓ میں ہوا، جب ایک گروہ نے حضرت علیؓ کی حمایت کی، دوسرے نے حضرت عثمان کی، اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی تو کسی نے مخالفت نہ کی، بلکہ پوری امت نے ان کی افضلیت پر اتفاق کیا، حتیٰ کہ خوارج نے بھی۔ (۴) پھر عبداللہ بن سبا (۵) نامی ایک شخص پیدا ہوا، جس نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا، آل بیت سے اپنی بے پناہ محبت و عقیدت جتائی، اور پھر حضرت علیؓ کے سلسلے میں انتہائی درجے کا غلو کیا، اس نے یہ دعویٰ کیا کہ نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور حضرت علیؓ آپ ﷺ کے وصی ہیں، پھر شدہ شدہ اس مکار و عیار یہودی نے حضرت علیؓ کو استحقاق خلافت سے درجہ الوہیت تک پہنچا دیا۔

(۱) تاریخ الطبری (۶۴۵-۶۶)

(۲) امام اشعری ”نجدات“ ایک فرقہ کو ان سے مستثنیٰ کرتے ہوئے کہا کہ وہ مرتکب کبیرہ کی تکذیب نہیں کرتے، لیکن شہرستانی وغیرہ نے کسی بھی خارجی کو اس فکر سے الگ و مستثنیٰ نہیں کیا ہے، دیکھئے: المقالات (۱: ۱۶۸)، الملل (۱: ۱۱۴)، والفتاویٰ (۳: ۲۷۹)

(۳) ”شیعہ“ انصار و مددگار کو کہتے ہیں، ”شیعہ“ کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے، جنہوں نے حضرت علیؓ کی مدد و معاونت کی، ان کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئے، اور حضرت عثمانؓ پر ان کو مقدم کیا، پھر مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ اس نے ایک مستقل فرقہ کی شکل اختیار کر لی۔ تفصیل ملاحظہ ہو: مقالات الاسلامیین (۱: ۶۵)، الفرق بین الفرق (۲۱، ۲۹)، الملل (۱: ۱۳۲)

(۴) النبوات: ۱۳۳۔

(۵) ابن سبأ صنعاء ”یمن“ کا باشندہ تھا، عہد عثمانی میں اسلام پر چوٹ کرنے کے لیے ایمان لایا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے عزائم کو خاک میں ملا دیا، تفصیلی ترجمہ دیکھئے: فرق الشیعہ: ۴۰، الفرق بین الفرق: ۲۳۵، النبوات: ۱۳۲، الملل والنحل: ۱۷۴۔

بغدادی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

”فرقہ سیدہ“ عبداللہ بن سبا کے تابعین کو کہتے ہیں، وہ ابن سبا جس نے حضرت علیؑ کے سلسلے میں انتہائی غلو کیا، پہلے تو حضرت علیؑ کو نبی ثابت کیا، پھر ایمانیات و عقائد کی ساری حدوں کو توڑ کر انہیں مرتبہ الوہیت پر فائز کر دیا۔ مزید لکھتے ہیں:

”ابن السوداء“ یعنی عبداللہ بن سبا اصلاً ایک یہودی النسل شخص تھا، جو حیرہ کا رہنے والا تھا، اس نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا تھا، اس کی شدید خواہش تھی کہ کوفہ میں اس کی اپنی ریاست اور خود کا بازار ہو، اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے کوفہ والوں سے کہا کہ میں نے تورات میں لکھا پایا ہے کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور حضرت علیؑ نبی ﷺ کے وصی ہیں۔ (۱) شہرستانی ابن سبا کے متعلق لکھتے ہیں:

”یہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے حضرت علیؑ کی امامت کا نعرہ بلند کیا۔ (۲) پھر اس کے بعد شیعوں کے متعدد فرقے ہوئے، اس طرح اہل تشیع نے وصیت، رجعت اور غیبیہ کا فتنہ بھی ایجاد کیا، بلکہ وہ لوگ بعد میں ائمہ کی الوہیت کے قائل ہو گئے۔ (۳) اس کے فتنے اتنے شدید اور اس کے اثرات اس قدر گہرے تھے کہ اس جماعت کی معتد بہ تعداد اس وقت بھی دنیا کے مختلف گوشوں میں موجود ہے، اور اپنے ہی قدیم عقائد پر قائم ہے، ان میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی، بلکہ گردش زمانہ سے وہ اور زیادہ متعصب ہو گئے۔

(۳) فتنہ قدریہ (۴):

افعال عباد کا تعلق مشیت الہی سے ہونے کی حقیقت اور قضاء و قدر جیسے پیچیدہ و اہم موضوعات پر قبل از اسلام بھی گفتگو و بحثیں ہوتی رہیں، جیسا کہ قرآن مجید نے خود اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کفار قریش شرک کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے باخبر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہی بات اس سے قبل کے لوگ بھی کہتے تھے۔ ﴿وقال الذین أشركوا لو شاء الله ما عبدنا من دونه من شيء نحن ولا آباؤنا ولا حرمنا من دونه من شيء كذلك فعل الذین من قبلهم فهل علی الرسل إلا البلاغ المبین﴾ (۵)

(۱) الفرق بین الفرق: ۲۳۵۔

(۲) السلسل والنحل للشہرستانی (۱۷۴/۱)، وراجع: مقالات الاسلامیین (۶۵/۱-۸۹)

(۳) راجع: أصول الکافی (۳/۲۴۰-۲۴۱)

(۴) اہل سنت نے قدریہ کا اطلاق ان لوگوں پر کیا ہے، جو قدر کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ بندے اپنے افعال کے خالق خود ہیں، اللہ تعالیٰ کا اس میں کوئی دخل نہیں، سلف سے بعض آثار منقول ہیں، جن میں ہے کہ یہ اس امت کے مجوسی ہیں، دیکھئے: شرح اعتقاد اصل السیة اللہ الکافی (۳۵/۱)

(۵) سورۃ النحل: ۳۵۔

ترجمہ: مشرک لوگوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادے اس کے سوا کسی اور کی عبادت ہی نہ کرتے، نہ اس کے فرمان کے بغیر کسی چیز کو حرام کرتے، یہی فعل ان سے پہلے کے لوگوں کا رہا، تو رسولوں پر تو صرف کھلم کھلا پیغام کا پہونچا دینا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ”جاء مشرکو قريش إلى النبي ﷺ يخاصمونہ في القدر فنزلت: ﴿إن المجرمين في ضلال وسعر﴾“ (۲۱) یعنی کفار قریش تقدیر کے باب میں جھگڑتے ہوئے نبی ﷺ کے پاس آئے، تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ یقیناً گناہ گار گمراہی میں اور عذاب میں ہیں۔

اس سے قبل یہ بات گذر چکی ہے کہ شروع شروع میں صحابہ کرام نے بھی اس موضوع پر بحثیں کیں، مگر نبی ﷺ کی ممانعت سے باز آ گئے، پھر اس کے بعد یہ فتنہ نصف صدی کے گذر جانے کے بعد ہی پنپ سکا، جسے معبد الجہنی نے ہوادی تھی، معبد نے اس عقیدہ کو ایک نصرانی شخص سے اقتباس کیا تھا، جو اسلام لایا پھر مرتد ہو کر اپنے آبائی دین نصرانیت کی طرف لوٹ چکا تھا، لہذا ’معبد‘ ہی پہلا شخص تھا جس نے اس عقیدہ کی خوب تشہیر کی۔

امام مسلمؒ کی بیٹی بن یحییٰ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”کان أول من قال في القدر بالبصرة معبد الجهني“ (۳) ”معبد الجہنی“ پہلا شخص تھا جس نے بصرہ میں تقدیر کا مسئلہ چھیڑا، اسی طرح امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں: ”قدر کو چھیڑنے والا پہلا شخص عراق کا باشندہ تھا، جسے ’سون‘ (۴) کے نام سے جانا جاتا تھا، پہلے نصرانی تھا، پھر اسلام قبول کر کے اس سے مرتد ہو کر ازسرنو نصرانیت قبول کر لی، اور غیلان نے یہ عقیدہ معبد سے لیا تھا۔ (۵) مذہب قدر یہ کاسب سے پہلا فتنہ جو ظاہر ہوا تھا وہ یہ تھا: ”إن الأمر أنف“ (۶) یعنی اشیاء کے وقوع سے قبل اللہ تعالیٰ کو ان کا علم نہیں تھا، بلکہ علم وقوع کے بعد ہوا ہے۔ (۷) مذکورہ معنی کے اعتبار سے گویا ان کا یہ عقیدہ دو قضیوں سے مرکب ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ کے سابقہ حوادث کے تعلق سے علم ہونے کا انکار۔

(۲) ”بلا کسی مدد کے“ بندہ اپنے افعال کا خالق خود ہے۔

امام ابن حجرؒ کی تحقیق کے مطابق اس طرح کے عقیدوں کے حاملین کا اب خاتمہ ہو چکا ہے، متاخرین میں سے کوئی

(۱) سورة القمر: ۴۷۔ (۲) شرح اعتقاد اہل السنۃ، رقم (۹۴۶) اس کا حاشیہ بھی ملاحظہ ہو۔

(۳) رواہ مسلم فی صحیحہ (ج: ۸)۔

(۴) اس نصرانی کے نام میں اختلاف ہے، بعض نے سون، بعض نے سنو یہ کہا ہے، اور امام ابن سعد نے ”سنہویہ“ کہا ہے، دیکھئے: الطبقات لابن سعد (۱۶۴/۷)۔

(۵) رواہ اللہاکاؤی (رقم: ۱۳۹۸) شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ۔

(۶) رواہ مسلم فی صحیحہ (ج: ۸)۔ (۷) ذکرہ النووی فی شرح مسلم (۱۵۶/۱)۔

بھی اس عقیدہ کا حامل و پیرو نہیں، بلکہ مرور زمانہ کے ساتھ اس بات کے بھی قائل ہو گئے ہیں کہ بندوں کے افعال کو ان کے وقوع سے قبل ہی اللہ تعالیٰ جانتا ہے، سلف کی مخالفت انہوں نے اس باب میں کی ہے کہ ”بندوں کے افعال مستقل و دوامی طور پر ان ہی کے لیے مقدور ہیں اور اس کا وقوع بھی انہیں سے ہوتا ہے“۔ (۱)

اس طرح فتنہ قدر نے اپنے اثرات دوسروں پر بھی چھوڑے، بعد کو معتزلہ نے بھی یہ عقیدہ اختیار کر لیا، اور پھر اس میں اختلافات کے نتیجے میں مختلف فرقوں میں منقسم ہو گئے۔

(۴) فتنہ ارجاء:

ارجاء کا لغوی معنی تاخیر کا ہوتا ہے، ارجاء الشی کا معنی کسی چیز کو مؤخر کرنا۔

بغدادی مرجہ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”انما سموا مرجئة لأنهم أخرجوا العمل عن الإیمان“ (۲) یعنی مرجہ ان کو اس لیے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے عمل کو ایمان سے مؤخر کر دیا، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت ایمان کو تین چیزوں سے مرکب مانتے ہیں، وہ یہ ہیں: قول باللسان، تصدیق بالجنان، عمل بالأركان۔ یعنی ایمان کہتے ہیں کہ زبان سے اقرار، دل سے تصدیق اور اعضاء و جوارح سے عملاً ثابت کیا جائے، مرجہ ان کی مخالفت میں عمل کو ایمان سے الگ کر کے مؤخر کر دیتے ہیں، اور عمل کو ایمان کے مسمیٰ میں داخل تصور نہیں کرتے، گویا ان کے یہاں کمال ایمان کے لیے اقرار باللسان اور تصدیق بالجنان کافی ہیں، عمل کی کوئی ضرورت نہیں۔

اول اول فتنہ ارجاء کا ظہور اہل خوارج کے رد عمل کے طور پر ہوا، جب خوارج نے حکمین و حضرت علیؓ پر زبان تکفیر و طعن دراز کی، اور انہیں دائرہ ایمان سے خارج کر دیا، تو اس مبنی پر غلو و فکر کے بالمقابل انتہا درجہ کی نرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مرجہ نے عمل بالجوارح کو مسمیٰ ایمان سے خارج و الگ کر دیا، ان کا نعرہ تھا: ”لا یضر مع الإیمان معصیة ولا ینفع مع الکفر طاعة“ یعنی ایک صاحب ایمان پر معصیت کا کچھ اثر نہیں ہوتا ہے، ایسے ہی کافر کو اطاعت کوئی فائدہ نہیں دے سکتی، گویا عمل کی دنیا کتنی بھی ویران ہو، قلب و لسان کی وادی سبزہ زار ہونی چاہئے، اس پس منظر میں ایک بات عرض کر دینا ضروری ہے کہ سلفی منہج فکر کے حامل محققین کی نظر میں اس ارجاء کا تعلق ایمان سے نہیں، جس پر اہل سنت اظہار تکفیر کرتے ہیں، بلکہ اس کا تعلق اس فتنہ سے تھا جو شیخین کی خلافت کے بعد وقوع پذیر ہوا، گویا عمل کو ایمان سے مؤخر ”ارجاء“ کرنے کا قضیہ مراد نہیں، بلکہ اس فتنہ میں واقع ہونے والے حضرات کے ”ارجاء“ یعنی ”تفویض الامر الی اللہ“ کا مسئلہ ہے، ”ارجاء“ کے تعلق سے سب سے پہلے کلام کرنے والے ”حسن بن محمد بن الحنفیہ“ (۳) ہیں، اس کا تذکرہ ان تمام لوگوں نے کیا ہے جنہوں نے بھی ان کی زندگی

(۱) بتصرف لیسیر: فتح الباری (۱۱۹/۱)، النووی علی مسلم (۱۵۴/۱)، جامع العلوم والحکم (۱۸)

(۲) الفرق بین الفرق للبغدادی (۲۰۲)

(۳) یہ اختلائی مسائل میں حد درجہ کی بصیرت رکھتے تھے اور باوثوق لوگوں میں ان کا شمار ہوتا تھا، هو الحسن بن محمد بن علی بن ابي طالب وقد اشتهر بالنسبة إلى أمه وهي من بني خليفة وكان أعلم الناس بالاختلاف وكان من أوثق الناس۔ راجع تہذیب التہذیب (۳۲۰/۲) تراجم کی دیگر کتابیں۔

پر کام کیا ہے، ابن سعد ان کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: ”وہو أول من تكلم في الإرجاء، ويذكر كذلك أن زاذان وميسرة دخلا عليه فلاماه على الكتاب الذي وضع في الإرجاء، فقال لزاذان: يا أبا عمر لو ددت أني كنت مت ولم اكتبه“۔ (۱)

ذکر کیا جاتا ہے کہ ”زاذان اور ميسره“ ابن الحنفیہ کے یہاں آئے، اور ”ارجاء“ کے موضوع پر لکھی ہوئی ان کی کتاب پر لعنت ملامت کی، تو انہوں نے کہا: اے ابو عمر! بہتر ہوتا کہ اس کو لکھنے سے قبل ہی میری زندگی کے ایام پورے ہو گئے ہوتے۔ اس کتاب میں ”ارجاء“ کی بحث کا تعلق شیخین کی خلافت کے بعد فتنہ میں واقع و شریک ہونے والے صحابہ کرام و تابعین عظام سے ہے، نہ کہ ایمان و عمل سے، اس بات کی تائید امام ابن حجرؒ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے:

”المراد بالإرجاء الذي تكلم الحسن بن محمد فيه غير الإرجاء الذي يعيبه أهل السنة: المتعلق بالإيمان، فذلك أني وقفت على كتاب محمد بن الحسن المذكور: أخرج ابن أبي عمير في كتاب الإيمان له في آخره قال: حدثنا إبراهيم بن عيينة عن عبد الواحد بن أيمن: كان الحسن بن محمد يأمرني أن أقرأ هذا الكتاب على الناس:

أما بعد: فإننا نوصيكم بتقوى الله، فذكر كلاما كثيرا في الموعظة والوصية بكتاب الله واتباع ما فيه واذكر اعتقاده، ثم قال في آخره: ونوالى أبا بكر وعمر رضي الله عنهما ونجاهد فيهما لأنهما لم تقتتل عليهما الأمة، ولم تشك في أمرهما ونرجيء من بعدهما ممن دخل في الفتنة فنكل أمرهم إلى الله إلى آخر الكلام“۔ (۲)

یعنی جس ”ارجاء“ سے متعلق ”حسن بن محمد“ نے اپنی کتاب میں بحث کی ہے، اس کا تعلق ایمان سے نہیں، اور یہ قسم اہل سنت و الجماعت کے لیے ناگوار خاطر نہیں ہے، یہ بات میں اس لیے کہہ رہا ہوں کیونکہ یہ کتاب میری نگاہ سے گذر چکی ہے، اس کا ذکر ”ابن ابی عمر“ نے اپنی ”کتاب الایمان“ کے آخر میں کیا ہے۔

عبدالواحد بن ایمان کہتے ہیں کہ حسن بن محمد مجھے اس کتاب کو لوگوں کے مابین پڑھنے کا حکم دیا، حمد و صلاۃ کے بعد: ہم آپ کو تقویٰ کی وصیت کرتے ہیں، پھر اس میں اپنے عقائد، قرآن مجید کے اتباع اور اس سے مستفاد نصیحت و وصیت کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے، اس کے آخر میں لکھا تھا: اور ہم شیخین کی ہم نوائی کرتے ہیں، اس سلسلے میں مشقتیں اٹھاتے ہیں، کیونکہ امت کا ان کے حوالے سے کوئی جھگڑا نہیں، اور نہ ان کے بارے میں کسی کو کوئی شک ہے، ہاں ان کے بعد کے وہ لوگ جو فتنے میں

(۱) الطبقات لابن سعد (۳۲۸/۵)

(۲) تہذیب التہذیب لابن حجر (۳۲۱، ۳۲۰/۲) ابن ابی عمر العدنی کی ”کتاب الایمان“ طبع ہو چکی ہے۔ اس کے آخر میں ”حسن بن محمد“ کا تین صفحات پر مشتمل رسالہ بھی شامل ہے، جیسا کہ ابن حجرؒ نے کہا۔

پڑ گئے، ان کا معاملہ ہم مؤخر کرتے ہیں، اور اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔
 ”ارجاء“ سے متعلق ”ابن الحنفیہ“ کے اصل خیالات یہی تھے، لیکن بعض مستند و معتبر اسلامی مصادر سے پتہ چلتا ہے کہ
 پہلی صدی ہجری کے اواخر میں ”مرجئہ“ بین الناس معروف و معلوم تھے۔

چنانچہ صحیح بخاری میں ہے: ”ان زبید - بالحارث الیامی - سأل أبا وائل عن المرجئة“ (۱) یعنی
 زبید بن حارث نے ابو وائل سے مرجئہ کے بارے میں سوال کیا۔

ابوداؤد الطیالسی کی روایت صحیح بخاری کی روایت سے زیادہ واضح ہے، ”لما ظهرت المرجئة أتیت أبا وائل
 فذكرت ذلك له“ (۲) یعنی جب فتنہ ارجاء کا ظہور ہوا تو میں ”زبید“ ابو وائل کے پاس آیا، اور اس کا تذکرہ کیا، امام ابن حجرؒ اس
 پر تعلق لگاتے ہوئے کہتے ہیں: فظہر من هذا أن سواله عن معتقداتهم وأن ذلك كان حين ظهورهم وكان
 وفاة أبي وائل سنة ۹۹ھ وقيل ۸۲ھ“ (۳) یعنی مرجئہ کے معتقدات کے سلسلے میں سوال سے یہ بات منکشف ہو گئی کہ
 یہ فتنہ اس وقت معرض وجود میں آچکا تھا، اور ابو وائل اس وقت موجود تھے، اور ابو وائل کی وفات ۹۹ھ اور ایک قول کے مطابق
 ۸۲ھ میں ہوئی، ابوالحسن الاشعری لکھتے ہیں: ”زرقان نے غیلان سے روایت کرتے ہوئے ذکر کیا کہ ایمان اقرار باللسان کا نام
 ہے، دوسرے لفظوں میں وہی تصدیق ہے اور معرفت باللہ تو فعل اللہ ہے، اس کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں۔“ (۴)

بلکہ شہرستانی نے یہاں تک لکھ دیا: ”غیلان پہلا شخص ہے جس نے قدر و ارجاء سے متعلق گفتگو کی“ (۵) ہم اس حد تک
 اس قول سے موافقت کر سکتے ہیں کہ فتنہ ارجاء کے قلعہ کی بنیاد اسی کے ہاتھوں پڑی، لیکن قدر کے تعلق سے نہیں، کما مر، اور
 غیلان ۱۰۵ھ کے بعد مقتول ہوا، گویا پہلی صدی ہجری کے اواخر میں وہ موجود تھا، تو یہ پہلا شخص ہوا جس نے معبد سے ”ایمان
 میں ارجاء“ کا قول نقل کیا، پھر اس کے بعد جہم بن صفوان آیا، جو ۱۲۸ھ میں قتل کیا گیا، اس نے کہا: ایمان معرفت کا نام
 ہے۔ (۶) ممکن ہے یہ قول اس نے ”غیلان“ سے لیا ہو، کیونکہ اوائل قرن ثانی میں دونوں موجود تھے، واللہ اعلم۔

یہ تھا پہلی صدی ہجری میں وقوع پذیر ہونے والے فتنوں کا تفصیلی بیان، اب آگے دوسری و تیسری صدی ہجری کے
 فتنوں و انحرافات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔

(جاری)



(۱) اخرج البخاری (ج: ۳۸) بشرح فتح الباری۔ (۲) منہج العبودی ترتیب مسند الطیالسی ابی داؤد (۷۵/۲)

(۳) فتح الباری بشرح الجامع الصحیح للبخاری (۱۱۲/۱)

(۴) مقالات الاسلامیین (۱۲۱/۱) وراجع الفرق بین الفرق (۲۰۶) واملل واخل للشہرستانی (۱۴۶/۱)

(۵) املل واخل (۱۳۹/۱)۔ (۶) سیأتی بیانه۔

اولاد میں بگاڑ - اسباب اور علاج

تحریر: محمد انور محمد قاسم سلمیٰ رکویت

(قسط: ۲)

طلاق

طلاق ایک اہم سبب ہے جس سے بچوں میں بگاڑ آتا ہے، اس طرح کہ باپ اولاد کی ماں کو طلاق دے دے اور اس کی جگہ پر سوتیلی ماں کو لے آئے، جو بچے پہلے ہی ماں کی ممتا سے محروم ہو چکے ہیں وہ اب سوتیلی ماں کے ظالمانہ سلوک سے تنگ آ کر بغاوت پر آمادہ ہو جاتے ہیں، جس کی وجہ سے باپ اور بچوں میں ٹھن جاتی ہے اور نتیجہ دونوں کے حق میں برانگلتا ہے۔

طلاق کے لغوی معنی کھولنے کے ہیں اور اسلامی محاورے میں نکاح کی گرہ کھول دینے اور زوجیت کا رشتہ اور ربط توڑ دینے کو طلاق کہتے ہیں، پیغمبر اسلام ﷺ نے طلاق کو اللہ کی نظر میں حلال اشیاء میں سب سے زیادہ بری چیز قرار دیا: ”أبغض الحلال عند الله الطلاق“ (ابوداؤد، ابن ماجہ) لیکن معاشرے میں کبھی کبھی ایسے حادثات پیش آ جاتے ہیں کہ میاں بیوی کے تعلقات سرد مہری میں انجماد تک پہنچ جاتے ہیں، ایسے میں تعلق روگ بن جاتا ہے اور تعارف بوجھ ہو جاتا ہے، ان حالات میں شوہر اور بیوی کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو کر چین و سکون کی سانس لیں۔

مثلاً اگر بد قسمتی سے شوہر اسلامی اقدار سے ناواقف یا برے عادات و اطوار کا شکار یا شرابی، زانی اور بد کردار ہے جس کی وجہ سے دونوں کے درمیان نا اتفاقی پیدا ہو جائے تو دونوں میں انتہائی کوشش کر کے ملاپ کرا دیا جائے، اگر مرد نے اپنے اطوار نہیں بدلے تو بالآخر عورت کو اسلام نے یہ حق دیا ہے کہ وہ شوہر سے خلع لے لے، اگر بیوی بد زبان، جھگڑالو، یا آزاد طبع اور بد قماش ہے تو شریعت نے مرد کو طلاق دینے سے پہلے ان تمام کامل احتیاطات کو رو بہ عمل لانے کا حکم دیا، تاکہ ان میں سے کسی ایک ذریعے سے بھی اگر بات بن سکتی ہو، نباہ ہو سکتا ہو تو ہو جائے۔

۱- وعظ و نصیحت سے سمجھانے کی کوشش کی جائے، کیونکہ دل کے اندر ایمان ہو تو اس سے ضرور کچھ نہ کچھ فائدہ ہو جاتا ہے، ارشاد باری ہے: ﴿فَذَكَرْ فَإِنَّ الذِّكْرَ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (ذاریات: ۵۵) ترجمہ: نصیحت کیجئے کیونکہ نصیحت مومنوں کے لیے فائدہ مند ہے۔

۲- بستر سے علاحدگی: یہ نفسیاتی سزا ہے جو شوہر بیوی کو دیتا ہے، اس سے ہر وہ عورت جس کے دل میں شوہر سے تھوڑی سی بھی محبت ہے، بستر سے علیحدگی برداشت نہیں کر سکتی، اس سے بہت ممکن ہے کہ عورت اپنے آپ کو شوہر کے احکام اور مرضی کے تابع کر کے زندگی کو خوشگوار بنا لے۔

۳- ضرب خفیف: برائے تادیب ایسی مار مارے جس سے امید ہو کہ اس سے فائدہ ہوگا، مار برائے مار نہ ہو بلکہ

برائے اصلاح۔ اس میں بھی یہ بات ملحوظ رہے کہ سخت نہ ہو، جسم پر داغ اور نشان چھوڑنے والی نہ ہو، تکلیف پہنچانے والی نہ ہو، نہ ہی سینہ، پیٹ اور چہرہ پر مارا جائے، نہ اس میں زبردست سوتے، ڈندے مستعمل ہوں، بلکہ فقہاء کرام کے اقوال کے مطابق یہ ضرب مسواک وغیرہ جیسی کسی لکڑی سے ہو، عورت کو مارنا کسی بھی مہذب معاشرے میں اچھا نہیں سمجھا جاتا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بقول آپ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں کسی خادم یا عورت کو نہیں مارا: ”ما ضرب رسول اللہ ﷺ بیبہ امرأة قط، ولا خادما، ولا ضرب شیئا قط، إلا أن یجاهد فی سبیل اللہ“ (ابن سعد) یعنی آپ ﷺ نے سوائے جہاد فی سبیل اللہ کے اپنی زندگی میں نہ کسی عورت کو مارا، نہ کسی خادم کو اور نہ ہی انسان جانور سمیت کسی چیز کو۔ بلکہ آپ ﷺ سے اس کی ممانعت ثابت ہے۔ آپ ﷺ نے مردوں کو عورتوں کی پٹائی سے یہ کہتے ہوئے عار دلانی کہ: ”یعمد أحدکم فی جلد امرأته جلد العبد، فلعلہ یضاجعها آخر یومہ“ (متفق علیہ) ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اٹھتا ہے اور اپنی بیوی کی اس طرح بے تحاشا مارتا ہے جس طرح کہ غلام کو مارا جاتا ہے، (اسے کم از کم یہ تو سوچنا چاہئے کہ) شاید وہ اسی دن کے آخر میں اس سے ہم بستری کرے۔

۴- طلاق کے وقوع سے قبل شوہر اور بیوی کی جانب سے چند عقلمند لوگ جمع ہوں اور وہ ان اختلافات کا جائزہ لے کر اس کا حل تلاش کریں جو وزن و شو کے درمیان باعث نزاع ہیں، تاکہ ان کی اس آخری کوشش سے تلخیاں ختم ہوں اور زندگی محبت کی ڈگر پر پھر سے رواں دواں ہو جائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿واللاتی تخافون نشوزهن فعضوهن واهجروهن فی المضاجع واضربوهن فإن أطعنکم فلا تبغوا علیہن سبیلا إن اللہ کان علیا کبیرا، وإن خفتن شقاق بینہما فابعثوا حکما من أهلہ وحکما من أهلہا إن یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینہما إن اللہ کان علیما خبیرا﴾۔ (نساء: ۳۴-۳۵)

ترجمہ: ”اور جن لوگوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو تو انہیں سمجھاؤ، خواب گاہوں میں ان سے الگ رہو، اور مارو، پھر اگر وہ تمہاری مطیع ہو جائیں تو خواہ مخواہ ان پر دست درازی کے لیے بہانے تلاش نہ کرو۔ (یاد رکھو کہ سب کچھ وہ دیکھ رہا ہے جو) اللہ بے شبہ بلند و بالا بڑا ہے، اگر تمہیں ان دونوں کے تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایک حکم مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کرو، وہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان موافقت کی کوئی صورت پیدا کر دے گا، اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔“

جب ان تمام اقدامات سے بھی کوئی بات نہ بنے اور خاندانی زندگی تباہ ہونے لگے تو مرد کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ ایک طلاق رجعی اس طہر میں دے جس میں کہ اس نے بیوی سے صحبت نہیں کی ہے۔ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ آئندہ طہر (حیض یا پاکی) تک شوہر کی جدائی سے بیوی کو پہنچنے والا صدمہ اور بیوی کی جدائی سے شوہر کو ہونے والی تکلیف، امید ہے کہ دونوں کو اپنے سابق رویہ سے اعتدال کی راہ پر آنے میں مددگار ثابت ہو، اگر خوش بختی سے یہ ہو تو شریعت نے دونوں کو یہ اجازت دی

ہے کہ وہ پھر سے اپنی زندگی میاں بیوی کی حیثیت سے شروع کریں۔ پہلی طلاق کے بعد ایک ماہ تک بھی اصلاح کی کوئی امید نظر نہیں آئی تو پھر شوہر دوسرے طہر (حیض سے پاکی کے بعد) میں دوسری طلاق دے گا، پھر ایک ماہ تک بھی طرفین کی جانب سے اصلاح کی کوشش بار آور ثابت ہوئیں اور دونوں میاں بیوی ناراضگی ختم کر کے پھر سے زندگی کے دورا ہے پر محبت سے گامزن ہونا چاہیں تو شریعت نے شوہر کے لیے اب بھی دروازے کھلے رکھے ہیں کہ دونوں طلا توں کے بعد اگر وہ چاہے تو رجعت کے ذریعے بیوی کو نکاح میں باقی رکھے، اور یاد رہے کہ اس ساری مدت میں عورت شوہر کے گھر میں ہی مقیم رہے گی، میسے نہیں جائے گی، اس سے میاں بیوی کے درمیان تناؤ کو ختم کرنے کے سارے مواقع موجود ہوتے ہیں اور بیوی شوہر کے ایک ہلکے سے اشارے یا عمل (جماع) پر اس کی زوجیت کی طرف پلٹ سکتی ہے، لیکن اگر اب بھی دونوں نے تناؤ اور سخت رویہ اپنایا تو شوہر بیوی کو تیسرے طہر میں تیسری طلاق دے کر اپنی زوجیت سے خارج کر دے، اس کے بعد عورت اپنے سابق شوہر کے گھر میں ایک دن کے لیے بھی رہ نہیں سکتی۔ اس لیے کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿الطلاق مرتان فإمساک بمعروف أو تسریح بإحسان﴾ (۲۲۹) ترجمہ: ”طلاق دو مرتبہ ہیں، پھر یا تو اچھائی کے ساتھ روکنا (لوٹالینا) یا عمدگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔“

طلاق دینے کے وقت شریعت نے شوہر پر واجب کیا کہ وہ اپنی سابقہ بیوی کو کچھ ساز و سامان اور نقدی عدت کے خرچ کے طور پر دے، تاکہ طلاق یافتہ عورت رویوں کی مجبوری کی وجہ سے مشقت نہ اٹھائے اور اس کے ساتھ اس کی اولاد بھی فاقہ کشی پر مجبور نہ ہو، فرمان باری ہے: ﴿و متعوهن علی الموسع قدره و علی المقتر قدره متاعا بالمعروف حقا علی المحسنین﴾ (بقرہ: ۲۳۶)

ترجمہ: ہاں انہیں کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچاؤ، خوشحال اپنی طاقت کے مطابق اور تنگ دست اپنی مقدرت کے مطابق، دستور کے مطابق اچھا فائدہ دے، بھلائی کرنے والوں پر یہ لازم ہے۔

اگر عورت کے پاس سابق شوہر کا کوئی بچہ پرورش پارہا ہے تو اس کا خرچ بھی شوہر کے ذمے ہے، تفصیل کے لیے سورہ

طلاق کا مطالعہ کیا جائے۔

طلاق کا بدعی طریقہ

طلاق کا بدعی طریقہ وہ ہے، عام طور پر جاہل مسلمان جس کا ارتکاب کرتے ہیں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر آؤد بیکھانہ تناؤ دھڑا دھڑتین طلاق (طلاق طلاق طلاق) کی باڑھ ماردی، اس کے بعد علماء و مدارس کا چکر کاٹنے لگے کہ اب نباہ کی کوئی صورت نکال دیں، ایسے میں وہ ان لوگوں کے فتوؤں کی بھینٹ چڑھ گئے جو ”شرعی حلال“ کی دوکان لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، جہاں ایک دو دن کے لیے حلالے کے نام پر عورتوں کی عصمتوں کا سودا کیا جاتا ہے، پھر ایک مخصوص رقم کی ادائیگی کے بعد تین طلاقیں دلوا کر پہلے شوہر کے لیے راہ ہموار کی جاتی ہے، ایسے ہی حلالہ کرنے اور کرانے والوں پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی

ہے: "لعن الله المحلل والمحلل له" (ابوداؤد، ترمذی) حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے کرایا گیا دونوں پر اللہ کی لعنت ہو۔

اور اسی کے متعلق اثرم اور ابن منذر نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: "میرے پاس کوئی حلالہ کرنے والا، یا جس کے لیے حلالہ کیا جائے، لایا جائے، تو میں اسے پتھروں سے مار مار کر ہلاک کر دوں۔" نیز حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے عورت کو شوہر کے لیے حلال کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: "یہ زنا ہے۔"

شریعت کے بتلائے ہوئے اصولوں سے ہٹ کر جو طلاق دی جائے یہی بدعی طلاق ہے، مثلاً تین مہینوں میں تین مرتبہ طلاق دینے کے بجائے ایک ہی مرتبہ دے دی جائے، یا طہر کے بجائے حالت حیض یا نفاس یا اس طہر میں طلاق دی جائے جس میں مرد نے عورت کے ساتھ صحبت کی ہو، ایسی طلاق حرام اور طلاق دینے والا سخت گناہ گار ہے۔ علماء میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا بدعی طلاق لاگو ہوگی یا نہیں؟ اکثر صحابہ کرام اور تابعین اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم اور موجودہ دور کے اکثر کبار علماء اور محدثین کا مسلک یہی ہے کہ تین طلاقیں دینے کی صورت میں صرف ایک رجعی طلاق واقع ہوگی اور باقی دو طلاقیں مردود ہوں گی، اس لیے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی شمار کی جاتی تھیں۔ (مسلم)

اس مسئلہ کی بابت شیخ الاسلام علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:

"اس مسئلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ اگر مرد اپنی بیوی کو ایک ہی کلمہ کے ذریعے تین طلاقیں دے دیتا ہے تو اسے صرف ایک شمار کیا جائے گا، کیونکہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت کی ہے کہ "عہد نبوی، عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں دو سالوں تک تین طلاق کو ایک ہی طلاق شمار کیا جاتا تھا، بعد میں حضرت عمر نے کہا کہ لوگ اس معاملے میں تیزی دکھلانے لگے ہیں، جس میں ان کے لیے مہلت تھی، اس صورت میں کیوں نہ ہم اسے تین قرار دے دیں، اور آپ نے اسے تین قرار دے دیا۔" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگردوں پر مشتمل علماء کی ایک جماعت اور بہت سے دوسرے علماء کا مختار قول یہی ہے، خود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت ثابت ہے، صاحب السیرۃ امام محمد بن اسحاق اسی کے قائل ہیں، نیز شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان شاگرد رشید علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہما نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ (فتاویٰ علامہ عبدالعزیز بن باز، مرتب: ڈاکٹر محمد لقمان سلفی ص ۳۰۹-۳۱۰)

دوسری جگہ فرماتے ہیں: "حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے (ایک صحیح قول کے مطابق) اسی کو اختیار کیا ہے، اور تین طلاق کو ایک طلاق ماننے والوں میں حضرت علی، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم بھی ہیں، محمد بن اسحاق (سیرت کے مصنف) اور تابعین کی ایک جماعت بھی یہی کہتی ہے، اور متقدمین و متاخرین علماء کی ایک جماعت

اسی کی قائل ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم رحمہما اللہ کا بھی یہی مسلک ہے، اور میں بھی یہی فتویٰ دیتا ہوں۔ اس لیے کہ اس میں تمام دلائل پر عمل ہو جاتا ہے اور اس میں مسلمانوں کے ساتھ رحمت و شفقت اور نرمی کا پہلو بھی ہے۔ (حوالہ مذکور ص ۲۹۷)

یہی وہ مسلک ہے جو کتاب و سنت سے زیادہ قریب ہے اور جس میں عام مسلمانوں کے لیے سکون و راحت ہے اور اسی مسلک پر عمل کرتے ہوئے وہ ہزار ہا خاندان جو مردکی غیر دانش مندی کی وجہ سے تباہی سے دوچار ہو گئے پھر سے آباد ہو سکتے ہیں۔ اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اس نے اپنی مرضی سے کسی دوسرے مرد سے شادی کر لی، لیکن بد قسمتی سے اس سے بھی نباہ نہ ہو سکا، اگر وہ پھر سے پہلے شوہر سے شادی کرنا چاہے تو کر سکتی ہے، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِنْ طَلَقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ﴾ (بقرہ: ۲۳۰) ترجمہ: ”پھر اگر وہ بھی اسے طلاق دے دے تو ان دونوں کو میل جول کر لینے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ یہ جان لیں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے۔“

اولاد پر طلاق کے اثرات

طلاق چاہے سنی طریقے پر دی جائے یا بدعی طریقے پر، اس میں کوئی شک نہیں کہ اولاد پر اس کے برے اثرات مرتب ہوتے ہیں، بچے ماں اور باپ کے درمیان تقسیم ہو کر رہ جاتے ہیں، جو بچے باپ کے پاس رہتے ہیں وہ ماں کی ممتا کو ترستے ہیں، اگر وہ ماں سے ملنا بھی چاہیں باپ کا خوف انہیں ملنے نہیں دیتا، جو بچے ماں کی سرپرستی میں موجود ہیں وہ باپ کی شفقت کے لیے تڑپ رہے ہوتے ہیں، لیکن ماں کی ناراضگی کا خوف انہیں باپ سے ملنے نہیں دیتا، بسا اوقات باپ اپنے پاس رہنے والے بچوں میں ماں کے خلاف سخت نفرت بھردیتا ہے، اور اسی کے برعکس ماں کے پاس پرورش پانے والے بچے باپ کے خلاف نفرت اور حقارت کو اپنے معصوم سینوں میں پالیتے ہیں، بڑے ہو کر وہ اپنے باپ کو بھی باپ کہہ کر نہیں بلاتے، ماں اگر کھاتے پیتے خاندان سے تعلق نہ رکھتی ہو تو ایسے میں غربت و مفلسی کا شکار بچے بھیک مانگنے پر اور عورت محنت و مزدوری کرنے پر بھی مجبور ہو جاتی ہے، گھر سے نکل کر اس بے رحم دنیا میں اس کی اپنی عفت و عصمت کی حفاظت بھی ایک مسئلہ بن جاتی ہے، بچے ماں کو گھر میں نہ پا کر آوارہ گردی کا شکار ہو جاتے ہیں، کئی بچے باپ کی شفقت اور ماں کی ممتا سے محروم ہو کر غیر سماجی عناصر کی بھیینٹ چڑھ جاتے ہیں، جو انہیں بے رحم قاتل اور سفاک ڈاکو کے قالب میں ڈھال دیتے ہیں، جن نفرت کے دھتوروں میں ان کی پرورش ہوئی وہ آگے چل کر انہیں غنڈہ، بد معاش اور معاشرے کے لیے ایک ناسور بنا کر ہی چھوڑیں گے۔ اس لیے والدین سے عرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کے مستقبل کی خاطر اپنے چھوٹے موٹے اختلافات کو حکمت و مصلحت سے ختم کر کے اپنے بچوں کو ایک محبت بھری زندگی عطا کریں، تاکہ وہ آگے چل کر معاشرے کے لیے ایک رحم دل باپ، مشفق شوہر اور نیک اور صالح انسان کا کردار ادا کر سکیں۔ وما ذلك على الله بعزيز۔

(جاری)

صحت و تندرستی:

کھجور کے فوائد

قرآن مجید میں کھجور کا ذکر صرف رطب اور نخل کی صورت میں آیا ہے جب کہ احادیث میں یہ آٹھ ناموں سے موسوم ہے۔ پانی میں بھگو کر اس کا عرق یا شربت نبیذ کہلاتا ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ کو کھجور بہت پسند تھی۔ حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ روایت فرماتے ہیں کہ: میں نے انہیں دیکھا کہ وہ کھجوروں کے ساتھ تریبوز کھا رہے تھے۔

ابوداؤد نے اضافہ کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ میں کھجور کی گرمی کو تریبوز کی ٹھنڈک سے برابر کر لیتا ہوں یا تریبوز کی ٹھنڈک کھجور کی گرمی سے زائل ہو جاتی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں:

نبی ﷺ نے فرمایا جس گھر میں کھجور ہو، وہ گھر والے کبھی بھوکے نہ رہیں گے۔ (مسلم)

نبی ﷺ کھجور کو رات بھگو کر اس کا پانی استعمال کرتے تھے۔ ابواسید کی دعوت ولیمہ میں یہی پانی بڑے شوق سے پیا۔ جب کہ ابو الہیثم بن التیہان نے جب ان کے ساتھ حضرت ابو بکر اور عمرؓ کی اپنے باغ میں دعوت کی تو ان سے کہا کہ تم نے تو پکی ہوئی کھجوروں کو بھگو لیا ہے۔ ہمیں زیادہ پسند ہوگا اگر پکی ہوئی کھجور کے ساتھ نیم پختہ (بسر، رطب) کھجوریں بھی ملا کر ان کا پانی ہمیں پلایا جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کھجور کی نبیذ میں بھی تو انائی کے ساتھ ساتھ فرحت پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔

یہ پانی جسم کی غلیظ رطوبتوں کو خشک کرتا ہے، معدہ کو تقویت دیتا ہے، منہ کے زخموں کو مندمل کرتا ہے۔ خاص طور پر مسوڑھوں کی سوزش میں مفید ہے۔

پھلوں میں کھجور ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، کیونکہ یہ جسم کے ہر حصے کے لئے یکساں طور پر مفید ہے۔ اس کی اصلاح کے لئے سیکنجبین زیادہ مؤثر ہے۔ جب کہ دوسرے ذرائع بتاتے ہیں کہ کھجور کے ذیلی اثرات کو دور کرنے کے لئے اس کے ساتھ بادام اور خشک خاص کا استعمال زیادہ مفید رہتا ہے۔

اطباءِ قدیم کے مشاہدات: کھجور کے درخت کو چیت بیساکھ (مارچ، اپریل) میں پھول لگتے ہیں۔ بھادوں اور اسوج (اگست، ستمبر) میں پھل پک کر تیار ہوتا ہے۔ اس کے پیڑ سے ایک قسم کا گوند نکلتا ہے جو بیرونی چوٹوں کے لئے مفید ہوتا ہے۔ اس کے درخت کے تنے میں گھاؤ لگاؤں میں تو ایک بیٹھا اور خوشبودار رس نکلتا ہے۔ تازہ پیسے تو بڑا لذیذ ہوتا ہے مگر ایک دن گزرنے کے بعد اس میں خمیر اٹھ جاتا ہے اور نشہ آور بن جاتا ہے۔

کھجور کے فوائد:

- کھجور خون پیدا کرتی ہے اور جلد ہضم ہوتی ہے۔
- قوت باہ کو مضبوط کرتی ہے۔
- مقوی جگر و معدہ ہے، بدن کو فربہ کرتی ہے۔
- فالج، لقوہ اور امراض بارہ میں بے حد مفید ہے۔
- جلی ہوئی کھجور زخموں سے خون بہنے کو روکتی ہے اور زخم جلدی بھرتی ہے۔ خشک کھجور کو جلا کر راکھ بنا لیتے ہیں اور بوقت ضرورت استعمال میں لاتے ہیں۔
- کھجور کا تازہ پھل سل ودق کے لئے مفید ہوتا ہے۔
- گھٹلی کھجور کو گرگڑ کر استعمال کرنے سے دست آنے بند ہو جاتے ہیں۔
- کھجور گردے اور کمر کو طاقت دیتی ہے۔ اور ریاح، ورم کو تحلیل کرتی ہے۔
- بادی بلغم کو چھانٹتی ہے۔
- خشک کھانسی اور دمے میں کھجور کا استعمال انتہائی مفید ہوتا ہے۔
- گیس کے مریض صبح ناشتے میں تین سے گیارہ دانے کھجور کھا کر پانی، دودھ یا پھر چائے پیئیں تو اس مرض سے نجات مل جاتی ہے۔
- اگر دبلے پتلے لوگ چاہیں کہ موٹے ہو جائیں تو ایک پاؤ کھجور پندرہ روز تک کھا کر بعد میں دودھ پیئیں، یقیناً صحت مند ہو جائیں گے۔
- کھانسی، بخار اور پیش میں کھجور کا استعمال مفید ہوتا ہے۔
- یہ قبض کو دور کرنے کے ساتھ ساتھ پیشاب آور بھی ہے۔
- کھجور کے درخت کا گوند بیرونی چوٹوں کے لئے مفید ہوتا ہے۔
- گردوں، مثانہ، پتہ، آنتوں میں قولنجی دردوں کو روکنے کے لئے کھجور کا متواتر استعمال انتہائی مفید ہوتا ہے۔
- اگر کھجور کو نہار منہ کھایا جائے تو یہ پیٹ کے کیڑے مارتی ہے۔
- کھجور کے پھول معدے کو طاقت دیتے ہیں، قبض پیدا کرتے ہیں، دست بند کرتے ہیں، خون تھوکنے اور خون آنے میں مفید ہیں۔
- کھجور کھانے سے بلغم نکلتا ہے اور طبیعت ہلکی ہو جاتی ہے۔

احتیاط: کھجور کا زیادہ کھانا مضر ہوتا ہے جگر اور تلی میں سدہ پیدا کرتا ہے، اور خون کو جلاتی ہے اس لئے بہتر ہے کہ اس نعمت

خداوندی کو مناسب مقدار کے مطابق ہی کھایا جائے۔ ☆ ☆ ☆

ندوة الطلبة جامعہ سلفیہ کا انتخاب جدید

مورخہ ۱۴ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ مطابق ۵ جولائی ۲۰۱۲ء بروز جمعرات بعد نماز عشاء انجمن ندوة الطلبة جامعہ سلفیہ کا انتخاب جدید جامعہ سلفیہ کی عالی شان مسجد میں زیر صدارت فضیلۃ الشیخ جناب مولانا نعیم الدین صاحب مدنی حفظہ اللہ شیخ الجامعہ اور دیگر اساتذہ کرام کی موجودگی میں عمل میں آیا اور اتفاق رائے سے درج ذیل عہدیداران اور اراکین منتخب ہوئے:

صدر	شفاء اللہ شمس الدین ف ۳
نائب ناظم	محمد حامد محمد شفیع ف ۲
مدیر "المنار"	عبد اللہ تجید عالم ف ۱
محاسب	عبدالرحیم محمد یونس ف ۳
امین "لجنۃ الثقافہ"	فرحان عبدالحمید ف ۲
امین "المکتبۃ"	ثناء اللہ غوری محمد عبدالناصر ف ۳
امین "دارالانخبار"	ضمیر احمد شفیق احمد ف ۳
نائب صدر	نسیم اختر عبدالحمید ف ۲
نائب ناظم	شہاب الدین سراج الدین ف ۲
نائب مدیر	اسعد الرحمن جمال الدین ف ۱
خازن	صہیب حامد محمود یاسر ف ۱
نائب امین "لجنۃ الثقافہ"	علیم اللہ عنایت اللہ ف ۲
نائب امین "المکتبۃ"	سعد فخر الدین ف ۲
نائب امین "دارالانخبار"	عابد حسین امجد علی ف ۲

محمد حامد محمد شفیع

ناظم ندوة الطلبة، جامعہ سلفیہ

رمضان المبارک کے موقع پر جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کو نہ بھولیں

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس جماعت اہل حدیث کا مرکزی ادارہ ہے، الحمد للہ اس کی سرگرمیاں نہایت وسیع اور متنوع ہیں، تعلیمی، دعوتی، صحافتی، تحقیقی اور تربیتی میدان میں جامعہ کی خدمات محتاج تعارف نہیں ہیں، جامعہ کے ذمہ داران اس سے متعلق منصوبوں اور عزائم کی تکمیل کے لیے مسلسل جدوجہد میں مصروف ہیں، اللہ کے فضل کے بعد تعمیر وترقی اور تعلیم و تربیت کی تمام سرگرمیاں اپنے مجتہدین، محسنین اور مخلصین کے تعاون سے انجام پا رہی ہیں۔ ہم اللہ رب العالمین کے شکر گزار ہیں نیز ان حضرات کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں جنہیں جامعہ سے دلچسپی اور محبت ہے اور جو جامعہ کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں کسی نہ کسی پہلو سے حصہ لیتے ہیں، اللہ رب العالمین انہیں اجر جزیل عطا فرمائے۔

جامعہ کے فوٹو اور سفراء رمضان المبارک کے موقع پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے، تمام محسنین، مجتہدین اور مخلصین سے موڈ بانہ انتہاس ہے کہ اپنے مرکزی ادارہ جامعہ سلفیہ کا زیادہ سے زیادہ تعاون فرمائیں تاکہ جامعہ کے تعمیری منصوبوں کو آگے بڑھایا جاسکے، نیز تعلیمی، دعوتی اور تصنیف و تالیف کے شعبوں کو مزید فعال بنایا جاسکے، جامعہ کے سفراء اگر آپ تک نہ پہنچ سکیں تو آپ سے گزارش ہے کہ اپنا تعاون براہ راست جامعہ کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو رمضان المبارک میں زیادہ سے زیادہ نیکیوں اور صدقہ و نیرات کی توفیق دے، آمین۔

ڈرافٹ یا چیک بنام "AL-JAMIA-TUS-SALAFIAH (MARKAZI DARUL ULOOM)" بنوائیں:

The Secretary

AL-Jamia-tus-Salafiah (Markazi Darul-Uloom),
B-18/1-G, Jamiah Salafiah Road, Reori Talab,
Varanasi - 221010 (U.P.) India

اور درج ذیل پتہ پر بھیجیں:

ناظم اعلیٰ

الجامعة السلفية

بنارس، الہند

عالم اسلام

ظل الرحمن سلفی سنٹرل لائبریری جامعہ سلفیہ

☆ آسٹریا: مثالی اسلامی قانون کے ۱۰۰ ارسال مکمل:

ملک میں ایک صدی قبل نافذ کئے گئے قانون کے تحت مسلمانوں کو دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے مساوی حقوق حاصل ہیں، اسلامی برادری کے سربراہ نواد ایسٹاک نے آسٹریا کو دیگر یورپی ممالک کے لیے ایک مثال قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہاں کبھی بھی اسلام کو خطرے کے طور پر نہیں دیکھا گیا۔ (انقلاب ممبئی از بنارس ۱۵/۷/۱۲)

☆ میانمار میں مسلمانوں کے لیے جگہ نہیں:

نیگون: میانمار کے صدر تھین سین نے ایک مرتبہ پھر یہاں کے مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی کی ہے، اور اقوام متحدہ سے کہا ہے کہ میانمار کے مغربی علاقہ میں جو فرقہ وارانہ بد امنی پھیلی ہوئی ہے، اس کے لیے مسلمان ہی ذمہ دار ہیں، لہذا ملک میں امن و امان کی بحالی کے لیے ضروری ہے کہ یہاں کے تقریباً دس لاکھ مسلمانوں کو جلا وطن کر دیا جائے، یا پھر انہیں مہاجر بنا کر رکھا جائے۔ (راشٹریہ سہارا لکھنؤ ۱۳/۷/۱۲)

☆ اسلامی یونیورسٹی کو یونیسکو کی رکنیت ملنے پر اسرائیل چراغ پا:

اقوام متحدہ کی ذیلی تنظیم برائے سائنس ثقافت اور تعلیم نے فلسطینی شہر غزہ کی پٹی میں قائم اسلامی یونیورسٹی کو تنظیم میں ایک نشست دی ہے، جس پر پورے فلسطینی عوام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے، لیکن دوسری جانب صہیونی حکومت نے اسلامی یونیورسٹی کو ”یونیسکو“ میں رکنیت ملنے پر سخت صدمے کا اظہار کیا ہے۔

مرکز اطلاعات فلسطین کے مطابق ”یونیسکو“ نے فلسطین کی سب سے بڑی علمی درسگاہ جامعہ اسلامیہ کو اپنی رکنیت دے کر اسے دنیا کے بہترین جامعات میں شمار کرانے اور اسے عالمی اعزاز سے نوازا ہے، چنانچہ اس اعزاز کو اسرائیلی ناقابل قبول گردان رہا ہے۔ (راشٹریہ سہارا لکھنؤ ۱۳/۷/۱۲)

☆☆☆

اخبار جامعہ

☆ تعلیم و تربیت سے متعلق ایک اہم نشست:

۲ جولائی ۲۰۱۲ء بروز سوموار ساڑھے گیارہ بجے دن جامعہ سلفیہ کے میٹنگ ہال میں تعلیم و تربیت کے امور پر غور و خوض کرنے کے لیے ایک میٹنگ منعقد ہوئی جس میں ذمہ داران جامعہ مولانا شاہد جنید صاحب سلفی، مولانا عبداللہ سعود صاحب، مولانا عبداللہ زبیری صاحب اور مولانا احسن جمیل مدنی صاحب نیز اساتذہ جامعہ سلفیہ نے شرکت کی۔ اس میٹنگ میں اساتذہ و طلباء کے متعلق مختلف امور پر ناظم جامعہ مولانا عبداللہ سعود صاحب نے روشنی ڈالی اور حاضرین سے مشورہ طلب کیا۔

طلباء کی کلاسوں میں حاضری، درس و تدریس کے طور طریقے، اخلاقی تربیت، اندرون جامعہ کھیل کا نظم، نماز کا اہتمام، پان اور اس قسم کی چیزوں پر پابندی جیسے نکات زیر بحث آئے۔ نصاب تعلیم سے متعلق سابق صدر جامعہ سلفیہ ڈاکٹر جاوید اعظم رحمہ اللہ کی نگرانی میں جو کام شروع کیا گیا تھا اساتذہ کی طرف سے اسے بھی مکمل کرنے کی سفارش کی گئی۔ تاکہ نصاب تعلیم کو اور بہتر بنایا جاسکے۔

☆ جامعہ سلفیہ میں رمضان المبارک و عید الفطر کی تعطیل:

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں امسال تعطیل رمضان و عید الفطر مورخہ ۲۷ شعبان ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۸ جولائی ۲۰۱۲ء بدھ سے ۸ شوال ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۷ اگست ۲۰۱۳ء بروز سوموار متعین ہے۔ ۹ شوال ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۸ اگست ۲۰۱۳ء بروز منگل دوبارہ تعلیم شروع ہو جائے گی، ان شاء اللہ۔
(ادارۃ القبول و التعمیل)

ماہنامہ محدث بنارس

ایک علمی، اصلاحی، دینی اور دعوتی رسالہ ہے، اس کے فروغ اور توسیع اشاعت میں بھرپور حصہ لیں، اس کے لیے مالی تعاون کرنا آپ کا اخلاقی فریضہ ہے۔ (ادارہ)

باب الفتاویٰ

سوال: (۱) کیا روزہ کے لیے نیت کرنا ضروری ہے؟ نیت کب اور کس طرح کی جائے؟

الجواب بحون اللہ الوہاب وهو الموفق للصواب:

(۱) فرض روزہ رکھنے والے شخص کے لیے ضروری ہے کہ حکم الہی کی تعمیل میں روزہ رکھنے کا دل میں ارادہ کرے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا أَمْرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مَخْلَصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ (البینۃ: ۵) اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ”إنما الأعمال بالنیات وإنما لكل امرئ ما نوى“ یعنی اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو نیت کے مطابق بدلہ ملے گا۔ (صحیح بخاری حدیث نمبر ۱، صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۹۰۷)

اور روزہ بھی ایک اہم عبادت ہے اس لیے جو شخص فرض روزہ (جیسے رمضان یا قضاے رمضان، نذر یا کفارے کا روزہ) رکھے تو اس پر روزہ کی نیت ضروری ہے۔

ویسے تو نیت رات کے کسی بھی حصہ میں کر لیا جائے کافی ہوگا، جیسا کہ ام المؤمنین حضرت حفصہ ؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”من لم یبیت الصیام من اللیل فلا صیام له“ (صحیح الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۱۱۴ ح: ۶۵۳۵، ارواء الغلیل ج: ۹۱۴) یعنی جس نے رات سے روزے کی نیت نہ کی تو اس کا روزہ نہیں، یا کم سے کم طلوع فجر سے پہلے پہلے روزے کی نیت کر لی جائے تب بھی روزہ صحیح و درست ہوگا، جیسا کہ ماں حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”من لم یجمع الصیام قبل الفجر فلا صیام له“ (صحیح سنن ابی داؤد، کتاب الصوم، باب النیۃ فی الصیام، صحیح الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۱۱۴ ح: ۶۵۳۸) یعنی جس نے طلوع فجر سے پہلے ہی روزے کی نیت نہیں کر لی اس کا روزہ نہیں۔

معلوم ہوا کہ نیت کے بغیر کوئی عمل قابل قبول نہیں، اس لیے اگر طلوع فجر سے پہلے روزے کی نیت نہ کی گئی اور روزہ دار روزہ جیسی پابندیاں اپنے اوپر عائد کر لے تو بھی روزہ نہیں ہوگا بلکہ فاقہ ہوگا۔

البتہ عام نفلی روزے کے لیے رات سے ہی نیت کرنا شرط نہیں ہے، بلکہ اگر کوئی شخص دن میں زوال سے پہلے نیت کر لے اور اس سے پہلے نہ کچھ کھایا پیا ہو اور نہ ہی روزہ توڑنے والا کوئی عمل کیا ہو تب تو روزہ صحیح ہو جائے گا، جیسا کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن اللہ کے رسول ﷺ میرے پاس تشریف لائے، اور پوچھا تمہارے پاس کھانے کے لیے

کچھ ہے؟ ہم نے کہا نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تب تو میں روزے سے ہوں۔ (صحیح مسلم ج: ۱۱۵۴)

نیت کے لیے زبان سے تلفظ کی ضرورت نہیں، بلکہ ایمان و احتساب کے ساتھ روزہ رکھنے کا دل میں ارادہ کرے، نیت یہ دل کا فعل ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ: ”والشرع خصمه بالارادة المتوجهة نحو الفعل لا بتغاء رضاء الله وامتثال حكمه“ (فتح الباری ج ۱ ص ۱۳) یعنی شریعت نے نیت کے لفظ کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے کسی کام کے ارادہ کے لیے خاص کیا ہے۔

بعض حضرات نے روزے کی نیت کے لیے مختلف الفاظ وضع کئے ہیں، مثلاً: ”نویت أن أصوم غدا من شهر رمضان“ اسی طرح ”بصوم غد نویت من شهر رمضان“ وغیرہ۔ یہ الفاظ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہیں بلکہ من گھڑت اور خود ایجاد کردہ ہیں۔ اس لیے ان الفاظ کے ساتھ نیت کرنا بہر حال بدعت ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں: ”من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد“ (متفق علیہ) و ”من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد“ (صحیح مسلم) یعنی جو بھی شخص کوئی ایسا کام کرے جو ہماری شریعت سے نہیں ہے وہ باطل و مردود ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس خود ساختہ الفاظ آنے والے کل کی نیت پر دلالت کرتے ہیں۔ یعنی روزہ آج کا رکھا جا رہا ہے اور نیت کل کی ہو رہی ہے۔ علامہ ابن منظور رقمطراز ہیں: ”أصل الغد وهو اليوم الذي يأتي بعد يومك“ (لسان العرب ۲۶۱) یعنی غد کا اصل یہ ہے کہ وہ دن جو تیرے آج کے دن کے بعد ہوگا۔

اور مصباح اللغات ص ۵۹۳ میں ”الغد“ کا معنی یہ لکھا ہوا ہے کہ ”آئندہ کل“ دور کا دن جس کا انتظار ہو۔ لہذا ان الفاظ کے ساتھ نیت کرنا شرعی اور معنوی دونوں اعتبار سے غلط ہے۔

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب
ابوعفان نور الهدى عين الحق سلفي مالدبي
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس